جلد ۱۰۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

استفسارات

از: سید ابوالاعلیٰ مودودی

ترتیب و تدوین: اختر حجازی

○ مولانا مرحوم فہم دین کے فن کے شناور تھے۔ ان کی مجلس سے کوئی تشنہ نہ اٹھتا تھا۔

○ مولانا مرحوم سینکڑوں مجالس میں ہزاروں سوالات کے جوابات دیتے اور کوئی محروم نہ رہتا تھا۔

○ مولانا کے ہزاروں معتقدین تھے جو طلب دین کیلیے ان سے رجوع کرتے تھے اور کوئی مایوس نہ لوٹتا تھا۔

○ یہ خصوصیت مولانا مودودیؒ کو خداداد صلاحیت کے طور پر حاصل تھی۔

○ لوگوں نے ہزاروں سوالات کیے مولانا مودودیؒ نے ہزاروں جوابات دیے
مولانا اختر حجازی صاحب کی ہمت و محنت ہے کہ انھوں نے ان سوالات کو مع جوابات حاصل کر کے ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دیا جو تشنگانِ علم کیلیے سرچشمہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے

○ ایک کتاب سے عالم کتاب بن جانے کا نسخہ حاضر خدمت ہے۔

سائز: ۱۸×۲۳ • صفحات: ۴۴۸ • قیمت — ۴۰ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۶ | اکتوبر ۱۹۸۶ء مطابق صفر ۱۴۰۷ھ | عدد ۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زر سالانہ تیس روپے، فی پرچہ ۳/ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

رخصت اے بزمِ جہاں!

بہت صدمہ ہے کہ تحریکِ اسلامی کی صف کا ایک کثیر الخدمات سپاہی ناوکِ اجل کا نشانہ بن گیا۔ مولانا گلزار احمد مظاہری بھیرہ ضلع سرگودھا میں مورخہ ۱۰ ر فروری ۱۹۲۲ء کو حاجی عبدالمجید مرحوم کے دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو اپنے ربِّ غفور کی اُخروی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

مولانا نے قدیم و جدید دونوں طرح کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۷۵ء سے علما اکیڈمی بھی اسی غرض سے قائم کی کہ دونوں طرف کے سرچشمہ ہائے تعلیم سے استفادہ کرنے والوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ایف اے تک انگریزی تعلیم حاصل کی اور درسِ نظامی میں بھی سندِ فضیلت حاصل کی۔

۱۹۴۸ء میں جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے۔ شہروں اور دیہات میں تبلیغی اور سیاسی تقاریر کیں۔ مغربی اور عرب ممالک کی کانفرنسوں میں بھی خطاب کیے۔

مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تفرقہ آلود فضا میں علماء کو متحد کرنے کی مہم شروع کی اور ۱۹۶۳ء میں جمعیت اتحاد العلمائے پاکستان قائم کی جس کے تحت پانچ ہزار علماء منظم ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے دوران کل پاکستان علماء کونسل قائم کی۔ ۳۱ ر مارچ کو بھٹو کے زیرِ اقتدار مسلم مسجد لاہور کے اندر اور باہر ان علماء پر بہیمانہ تشدد کیا گیا۔

سرگودھا میں مولانا نے جامعہ قاسم العلوم قائم کیا جس کو حکومت نے قومی تحویل میں لے لیا۔ ۱۹۷۵ء میں منصورہ کے متصل علماء اکیڈمی قائم کی۔

تقریباً نصف صدی کا دورانیہ کارگاہِ خیر و شر میں محاذِ ایمان و اسلام سے معرکہ آرائی میں آخر دم تک گذار کر امتحان گاہِ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ○

خدا مولانا کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے اہلِ خانہ اور تمام اعزہ و احباب اور رفقاء نے ان کی جدائی کا صدمہ جس صبر سے سہا ہے اس کا بہترین اجر دے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

شریعت بل کے پارلیمنٹ میں آنے کے بعد ہر وہ شخص یا گروہ مضطرب ہے جو لادینیت، انحراف پسندی، دُنیا پرستی، تقلیدِ فرنگ یا مخالفتِ اسلام کے مرض میں مبتلا ہے اور اپنے اپنے طبقے اور حلقے کی طرف سے جو تیر بھی چھوڑا جا سکتا ہو، ہر کوئی شریعت کے خلاف چھوڑ رہا ہے۔

اسی سلسلے میں وہ افسوسناک موقع بھی ہمارے سامنے آتا ہے جب کہ حضور نبی اکرمؐ کے لیے قرآن کے استعمال کردہ لفظ "امی" کا ایک غلط مفہوم حضورؐ پر چسپاں کیا گیا اور اس غلط مفہوم کے حق میں چند دانشور اصحاب، لغت در بغل میدان میں اُتر کر ذہانت کے شعبدے دکھانے لگے حالانکہ وہ مفہوم ایسا غلط تھا کہ اس سے عہدۂ نبوت کی توہین ہوتی تھی۔

لُغت، محاورے، شعر و ادب کی سندات، استعاراتی اور مجازی مفاہیم، ان سب پر جو بحثیں ہوتی رہی ہیں، مفسرین اور مترجمین نے جو جو کچھ لکھا ہے اس سارے سرمایۂ فکر و نظر کو ایک طرف رکھ کر ہم یہ حقیقت محسوس کرانا چاہتے ہیں کہ لفظ نہ کوئی جامد شے ہے اور نہ لغت نے چند حرفوں کا ایک سانچہ بنا کر اس میں معنی کا جو مسالہ بھر دیا ہے وہ بس ہر جگہ یکساں اور اٹل رہے گا۔

لفظوں کے لغوی معنی کے علاوہ وہ معنی بھی ہوتے ہیں جو بولنے والے کی مخصوص ذہنیت، اس کی پسند و ناپسند، اس کے مخصوص رجحانات، اس کے کلام سے وابستہ سابق اور موجودہ ماحول سے اخذ ہوتے ہیں۔ اِس سلسلے میں قرآن سے ہم ایک بدیہی شہادت اخذ کرتے ہیں —— سورۃ المنافقون کی پہلی آیت میں حضورؐ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ بھی یہ جانتا ہے کہ آپ ضرور اس کے رسول ہیں، مگر اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ کلام کی کیا عجیب نوعیت ہے کہ اربابِ نفاق جو بات کہہ رہے ہیں وہ سچی ہے، مگر سچ بول کر بھی وہ جھوٹے ہیں ـــ اس سے معلوم ہوا کہ کلام یا لفظ کا مقام مشخص کرنے میں بولنے والے کی ذہنیت کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ براہ راست نیتوں سے واقف نہیں ہو سکتے، مگر نظریات، رجحانات، عادات، مشاغل، حلقہ ہائے ربط، پوری زندگی کے دروبست، تحریکی و تنظیمی کام کے مقاصد کو پس منظر میں رکھ کر موقعِ کلام پر نظر ڈال کر آسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مدعا کیا ہے؟

بہت سے اصحاب لفظ "امی" کے معنی جاننے کے لیے لغت کے دفتروں کی طرف لپکے، مگر اپنے کلام کے سلسلے میں سب سے بڑی لغت تو خود عاصمہ جہانگیر ہے۔ وہ کس مسلکے ہیں کس ذہنیت کے ساتھ، کس فورم کو ساتھ لیے، کس رُخ پر جانا چاہتی ہے۔ یہی سوال بتلائے گا کہ اُس نے جب اُمی کا لفظ بولا تو اُس کی مراد کیا تھی۔

آیئے پہلے اس ذہنی کیفیت کو لیں جس میں عاصمہ جہانگیر گھری ہوئی ہیں۔ موصوفہ کے ایک حامی دانش ور نے ایک انگریزی اخبار سے یہ اقتباس نقل کیا ہے، اُسے بغور پڑھیے:۔

"عاصمہ جہانگیر شریعت بل کو خواتین کے لیے ایک خطرۂ عظیم سمجھتی ہیں انھوں نے اُن مولویوں کی بات سُننا مضحکہ خیز قرار دیا ہے جو کالے دھن کے سفید ہونے کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے۔ ان کی اخلاقیات اس وقت کہاں تھیں۔ انھوں نے کہا: ان کو صرف خواتین سے دلچسپی ہے۔ اُنھوں نے مزید کہا: اسلام انسانی حقوق یا انصاف اور برابری کے اُصول کے خلاف نہیں (اس کے بعد وہ مشہور فقرہ کہا گیا جس پر بحث چل رہی ہے، اس کو ہم آگے چل کر درج کریں گے)

(روزنامہ جنگ۔ شمارہ ۱۹ جون ۱۹۸۶ء، ص ۳)

اس اقتباس کو پڑھ کر غور کریں تو چند باتیں نمایاں ہوں گی۔ پہلی یہ کہ عاصمہ صاحبہ شریعت، شریعت بل

یا اس کے نفاذ وغیرہ میں کوئی مثبت دلچسپی نہیں رکھتیں، کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی انہوں نے تحسین کی ہو، کوئی نکتہ ایسا نہیں جس پر ان کا دل خوش ہوا ہو، کوئی جملہ ایسا نہیں جس سے انہوں نے اتفاق کا اظہار کیا ہو۔ شریعت بل کے متعلق وہ ایک مخالفانہ کلمہ کہتی ہیں، یعنی یہ بل خواتین کے لیے خطرۂ عظیم ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتیں کہ غلبۂ شریعت یا نفاذِ شریعت میرا بھی اور جملہ مُسلم خواتین کا بھی عین مقصود ہے، صرف اس کے ایک آدھ جزء سے اختلاف ہے اور اس اختلاف کے دلائل یہ یہ ہیں، وہ سارے بل کو "خطرۂ عظیم" قرار دیتی ہیں۔ اس سے انحرافِ دین یا شریعت گریز رجحان کی جھلک سامنے آتی ہے۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عاصمہ جہانگیر شریعت بل کے مرتبین یا حامیوں کے نقطۂ نظر کی غلطیاں کتاب وسنّت سے ثابت کرتیں کہ تم نے فلاں جگہ قرآن کی اور فلاں جگہ حدیث کی مخالفت کی ہے، اُلٹا ایک نئی بحث اٹھا دیتی ہیں کہ جب کالے دھن کو سفید بنایا جا رہا تھا تو تم کہاں تھے؟ جو لوگ اُس وقت نہ بولے ہوں اُن کو یہ حق نہیں کہ قرآن وحدیث کے کسی اُصول و حکم کی تائید وتلقین کریں یا غلبۂ شریعت کی آرزو کریں یا کسی غیر اسلامی نقشۂ احوال کو درست کرنے کی سعی کریں۔

یوں اگر شرط لگا دی جائے تو عاصمہ جہانگیر اس وقت کہاں تھیں جب قومی اتحاد کے عَلَم کے تحت نوجوان سینوں پر گولیاں کھا رہے تھے، یا اُس وقت کہاں تھیں جب شیخ رفیق اور چوہدری نذیر کو ظالمانہ انداز سے شہید کیا گیا؟ یا اُس وقت کہاں تھیں جب پاکستانی جہاز کو چھاپہ مار اغوا کر کے کابل لے گئے تھے؟ اور آئے دن رشوت ستانی، خیانت کاری، بدعنوانی، عصمت فروشی، مغرب کی حیا سوز ثقافت کا رقصِ بے محابا، اغوا، ظلم وتشدد اور شاہراہوں پر گاڑیوں اور بسوں اور ٹرکوں پر لٹیروں کے جو حملے ہوتے ہیں، اُس وقت عاصمہ صاحبہ کہاں ہوتی ہیں؟ اور اگر ان سارے واقعات کے خلاف ان کا کوئی پارٹ نہیں ہے تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ پاکستانی معاشرے اور مسلمان خواتین پر کرم فرمائیں اور شریعت کے ذم زم کو جوشِ گفتار کے دامن میں چھپائیں۔

یہ کہنا کہ علمائے دین (مولویوں) کو صرف خواتین سے دلچسپی ہے (مراد ہے مخالفانہ دلچسپی)

عجیب بے تکی سی بات ہے۔ یہاں زکوٰۃ کے احکام زیر بحث آئے، یہاں سود کی حرمت اور بنکنگ بلاسود کا موضوع چھڑا، یہاں حدود و تعزیرات کے مختلف اصولی مباحث اُبھرے۔ یہاں انگریزی قوانین کے کتاب وسنت سے ٹکرانے والے اجزا کو درست کرنے پہ کام ہوتا رہا، کیا یہ سب کچھ عاصمہ جہانگیر اور ان کی مجاہدات ترقی کے علم میں نہیں؟ پھر سوچنا چاہیے کہ اس طرح کی طعنہ بازیاں علمی اور سنجیدہ معاملات میں مناسب نہیں ہوتیں، ان چیزوں کا مقام گھروں کی چار دیواری کے اندر ہے۔

پھر فرمایا: اسلام انسانی حقوق یا انصاف اور برابری کے اُصول کے خلاف نہیں۔ یہ "خلاف نہیں" بھی اسلام کی بڑی عجیب شان بیان ہوئی۔ یعنی اسلام نے خود تو کوئی انسانی حقوق متعین یا بیان نہیں کئے ہیں، نہ انصاف کے اُصول اور کلیے طے کیے ہیں، نہ برابری کے معیارات بنائے ہیں۔ بلکہ یہ کام تو کچھ غیر اسلامی تہذیبوں نے اور معاشروں نے کیے ہیں اور ان کی علمبرداری خواتین کی ایک نمائندہ صاحبہ اسی شعور کے ساتھ کر رہی ہیں کہ اسلام ان کے خلاف نہیں، آپ جو فہرست جن الفاظ میں حقوق کی بنادیں اور جو قواعد اور طریقے انصاف اور برابری کے مقرر کردیں، کیا مجال ہے اسلام کی کہ ان سے سرتابی کرے۔ سرتابی تو بس کرتے ہیں مولوی، لہٰذا ان کا گلا گھونٹنا ضروری ہے۔ مطلب یہ کہ یہ فتویٰ تو عاصمہ جہانگیر اور ان کی قبیل کی خواتین دینی علم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر دیا کریں گی کہ کیا چیز اسلامی ہے اور کیا غیر اسلامی۔ پھر اگر ان کے اجتہادات پہ کوئی عالم دین چیں بجبیں ہوا یا کسی نے کوئی اختلافی آواز اُٹھائی تو پھر وہ پہلے تو "مولوی" قرار پائے گا اور پھر ایسوں کی بات سننا مضحکہ خیز شمار ہوگا۔ اس پہ دین ترقی کی مفتیۂ نامور نے بڑی محکم دلیل کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ مولوی (یعنی عالم دین) کے لیے اسلام کے دائرے کے اندر کوئی مقام ہے ہی نہیں۔ اسلام کو تو صرف غیر عالم قسم کے عامیوں اور جاہلوں سے واسطہ ہے۔ اِسی برہان قاطع کو سامنے لانے کے لیے انہوں نے وہ مشہور فقرہ کہا جس میں استعمال شدہ لفظ "امی" کے ترجمے پہ بحثیں ہو رہی ہیں۔ وہ جس معنی میں اس لفظ کو لائی ہیں اس کا اندازہ ہماری اب تک کی گفتگو سے ہو سکتا ہے۔

اُنہوں نے فرمایا:

THE MOST BEAUTIFUL[1] THING ABOUT ISLAM WAS THAT IT WAS FOR THE LAYMAN AND WAS REVEALED TO AN "OOMI" (DAILY MUSLIM, RAWALPINDI)

اس کا ترجمہ کچھ اُوپر درج کردہ اقتباس کے ساتھ ان الفاظ میں شائع ہوا ہے:

"اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک عام آدمی کے لیے ہے اور ایک اُمی پر نازل ہوا — دین کے ماننے والوں اور اللہ کے مابین کوئی مولویت حائل نہیں۔ پھر آخر علما اور اسلامی کونسل کی اسلام پر اجارہ داری کیوں؟"[2]

اِس عبارت پر ذرا غور فرمایئے۔ یہاں لفظ (LAYMAN) کو "اُمی" کے متبادل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ سورۂ جمعہ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسولؐ خود انہی میں سے اُٹھایا... الخ"

یعنی قوم بھی اُمیوں کی قوم ہے اور ان میں سے نبی بھی ایک اُمی کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اب ذرا عاصمہ جہانگیر صاحبہ کے ہاں اُمی کے ترجمے کو دیکھیے۔ وہ اُمی کے معنی (LAYMAN) قرار دیتی ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس پر باشعور اہلِ ایمان نے یہ محسوس کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی گئی ہے۔

"اُمی" کے جو بہت سے معنی موصوفہ کی حمایت کرتے ہوئے اخبارات میں سامنے لائے گئے ہیں ان میں پست ترین مفہوم جاہل یا LAYMAN کا ہے۔ اس سے ذرا سا فرق "بے نوشت و خواند" کہنے میں ہے۔ مگر اس لفظ کے بارے میں عاصمہ تو کیا، ہمارے ممتاز دانشوروں نے بھی اتنا غور نہیں فرمایا کہ قرآن نے اُمی قوم کہتے ہوئے بھی اور نبی اُمی کہتے ہوئے بھی ایک طرح کا تعریفی و تحسینی

[1] بلکہ اس کا ترجمہ کرنا چاہیے کہ "مزے کی بات تو یہ ہے" کہ اسلام ......!

[2] یہ صرف اس لیے عاصمہ جہانگیر اور ان کی پیروکار خواتین کی اجارہ داری نہ چل سکے۔ جو علم کی بنیاد پر دلیل سے بات کرے، اس کی بات چلے۔

انداز اختیار کیا ہے نہ کہ معذرت خواہانہ اور منکسرانہ۔ پس اس لفظ کے معنی متعین کرتے ہوئے اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے تھا۔ لفظ امی یا کسی دوسرے لفظ کو قرآن میں ایک منطوق سے ہٹا کر دوسرے پرلے جانا یا مفہوم یا SENSE بدل دینا یہ تحریف کی ایک نوعیت ہے اور ساتھ ہی نبی کی شان میں سخت گستاخی کہ جن معنوں میں آپ کو اُمّی کہا گیا اُن سے کم تر معنوں کا اطلاق کیا جارہا ہے[1]۔ مزید غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ مشرکینِ عرب میں بھی کئی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہاں اس کے دلائل دینے کا موقع نہیں، مگر "سبعہ معلقہ" اور "معاہدہ قریش بخلاف بنو ہاشم" اور "معاہدہ حدیبیہ" کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ اس کے باوجود وہ لوگ اُمّی تھے، اُمّی کہلاتے تھے اور خود اپنے آپ کو بہ مسرت اُمّی کہتے تھے۔ پس بعض خاص مواقعِ استعمال کو چھوڑ کر لفظ امی کا مقبول و معروف مفہوم دوسرا تھا۔ اس سلسلے میں متعدد روایتیں اور قیاسات ہیں۔ حقیقت میں اس لفظ کا ایک منفی مفہوم تھا اور ایک مثبت۔ یعنی ایک طرف تو قومِ محمد بنو اسمٰعیل کہلاتی تھی اور اس کا نسب حضرت ابراہیمؑ سے ملتا تھا بلکہ ان میں مسلکِ ابراہیمیؑ بھی

---

[1] جن لوگوں نے بے پڑھے لکھے ہونے کے الفاظ سے ترجمہ کیا ہے ان کا مقصد سرے سے وہ نہیں ہے جو عاصمہ صاحبہ کا ہے۔ وہ نبی کا درجہ گھٹانا نہیں چاہتے، وہ صرف ایک فن کے جاننے یا نہ جاننے پر بات کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ رسولِ برحق نے نبوت سے پہلے کے دور میں بھی دورِ یتیمی کی خودداری اور محنت کوشی، تجارت کی مہارت اور حجرِ اسود کی تنصیب کا جھگڑا چکا کر اور صدیق و امین کا لقب حاصل کر کے اپنے آپ کو صاحبِ علم ثابت کر دیا تھا۔ اور نبوت کے بعد تو خدا خود حضورؐ کا معلم بنا، یہاں تک کہ آپؐ معلّمِ کتاب و حکمت قرار پائے اور اپنے متعلق مدینۃ العلم ہونے کا اظہار کیا، بلکہ حضورؐ کا سارا کارنامہ سیاست و فراست، ادبِ خطابت و مکاتیب، شجاعت و بصیرتِ میدانِ جنگ، عوام کی تعلیم و تربیت کے کمالات اور کارپردازیٔ اُمورِ خانہ اور قرآن کے علاوہ آپؐ کے اقوالِ زرّیں کے دفتر ہمارے سامنے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ حضورؐ کے اعلیٰ مراتبِ علم کو واضح نہیں کرتا۔ کیا اس کے باوجود آپ کو (LAYMAN) کا پیغمبر ہونے کی وجہ سے آج ہم اپنے معاملات سے بے دخل قرار دینے کی ناپاک جسارت کر سکتے ہیں۔

مروج و مقبول رہا۔ اگرچہ اس کی صحیح شکل مسخ ہو گئی تھی۔ کمی ان کے ہاں یہ تھی کہ حضرت خلیلؑ و اسمٰعیلؑ[1] کے بعد دورِ آنحضورؐ تک ان میں کوئی پیغمبر نہیں اٹھا اور کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ یعنی اُمّی قوم وہ بنو اسمٰعیل تھے۔ جن کے پاس قرآن سے پہلے کے صدیوں لمبے دور میں کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ دوسری جانب وہ اس امر پہ فخر کرتے تھے کہ ہم وہ قوم ہیں جس نے اپنے آپ کو عیسائیت اور یہودیت اور مجوسیت اور رومی و ایرانی تمدنوں کے اثرات سے محفوظ رکھا ہے۔ یعنی اُن میں سے کسی مذہب اور تمدن کا علم حاصل کر کے اپنی سیدھی صاف بدوی فطرت کو داغدار نہیں ہونے دیا ہے۔ ہمارے ذہن بیرونی سامراجی اثرات کے بوجھ سے آزاد ہیں۔

ورنہ اگر وہ بات درست ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف (LAYMAN) کے لیے آئے تھے یا ایک جاہل قوم میں ایک ان پڑھی لکھی شخصیت کو مامور کیا گیا تھا تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ اُس زمانے یا اِس زمانے کا کوئی بھی پڑھا لکھا آدمی حضورؐ کا مخاطب نہیں ہے۔ کسی وزیر، صدر، ممبر پارلیمنٹ، معلّم، وکیل، جج، سائنس دان، پائیلٹ، جرنل، صحافی، ادیب اور کسی پڑھی لکھی خاتون کے لیے دین کے پاس کوئی تعلیم و ہدایت نہیں ہے۔ حالانکہ حضورؐ تمام سرزمینوں کی تمام قوموں کے لیے بلکہ ایک ایک فرد کے لیے تاقیامت تک نبی ہیں۔

یہ محض ایک منطقی نتیجہ ہی نہیں جو عاصمہ جہانگیر کی گفتگو سے ہم نے اخذ کر لیا ہو، بلکہ وہ دین و مذہب کے متعلق اپنا موقف خود یوں بیان کرتی ہیں:-

> "ویمن ایکشن فورم مذہب کے تقدیس پہ پختہ یقین رکھتا ہے، اور اسلام اور دوسرے مذاہب کا بہت احترام کرتا ہے۔ ہم اپنے عقیدے کے اخلاص پر کسی بھی الزام پر غم و غصّے کا اظہار کرتی ہیں۔ ہم پاکستان کی خواتین جائز حقوق کی راہ میں مذہب کو غلط استعمال کر کے رکاوٹ بننے والوں کی ہر کوشش کا مقابلہ کریں گی"
>
> (روزنامہ جنگ۔ ۹ اپریل ۸۶ء ص ۳)

---

[1] اسی کے لیے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل نے دعا کی تھی کہ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا" ... الخ

فورم کا بڑا احسان ہے کہ وہ مذہب کے تقدس پر پختہ یقین رکھتا ہے (اگر یقین نہ رکھے اور مذہب کو مقدس نہ مانے تو کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے) اور اسلام اور دوسرے مذاہب کا بہت احترام کرتا ہے (یہ بھی بڑی مہربانی ہے کہ فورم ہر مذہب کا احترام کرتا ہے، اسلام کا بھی اور آتش پرستی کا بھی۔ احترام نہ کرے تو دنیا کیا کر لے گی)، یعنی مذہب کے بس تقدس پر یقین ہے، اس کے احکام و قوانین کے اتباع کا کوئی پروگرام نہیں۔ دوسری بات یہ کہ "اسلام اور دوسرے مذاہب" کو ایک سطح پر رکھ کر ان کا احترام کرنے کا اعلان ہے۔ اسلام بھی بس ایک مذہب ہی ہے جس کے لیے فورم کی خواتین اپنے عقیدے کے اخلاص پر کسی الزام کو گوارا نہیں کر سکتیں۔ یعنی لے دے کے بات عقیدے کی ہے، عمل کا کوئی قصہ نہیں، نہ نظام کا کوئی سلسلہ ہے اور نہ قانونِ شریعت کی کوئی گنجائش۔ خالی خولی عقیدہ اپنے دماغ کی کسی کھونٹی پر ٹانگ دیا جائے۔ مذہب چونکہ خاموش رہتا ہے چاہے اُس سے ہر تعلق توڑ لیا جائے یا اس کی ہر پہلو سے حسبِ منشا تراش کر دی جائے۔ بولیں گے تو مذہب کو جاننے والے انسان ہی ہوں، جو بولے سو مولوی۔ خاموش مذہب کا احترام تو ہو سکتا ہے، بولنے والے مولوی سے تو انسانوں کی طرح بات کرنا بھی ضروری نہیں۔

آیئے پھر ان کے ارشادات کی طرف۔ فرمایا: اگر خواتین کے "جائز حقوق" (کیا اُن کا جواز اسلامی نصوص و قوانین سے لیا جائے گا؟) کی راہ میں مذہب کو غلط طور پر استعمال کیا جائے (اور غلط استعمال یہی ہے کہ عاصمہ جہانگیر اور ان کا فورم جن باتوں کو جائز حقوق قرار دے دے ان سے اختلاف نہ کیا جائے) تو اس طرح رکاوٹ بننے والوں کی ہر کوشش کا مقابلہ کیا جائے گا۔ دوسری طرف یہ بات ارشاد نہ ہو سکی کہ اگر مذہب کے مطالبوں اور احکامات کے راستے میں لوگ رکاوٹ بنیں گے تو ہم ان کی کوششوں کا مقابلہ بھی کریں گے۔ نہیں، صرف "جائز حقوق" کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ بنانے والوں کا مقابلہ کیا جائے گا۔ دینِ ترقی کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تو یہ کام ہی نہیں کہ وہ زندگی کے معاملات میں دخل دے اور نہ کسی کا حق ہے کہ اس کے اُصول و قوانین کو کسی مخالفِ مذہب چیز کے خلاف رکاوٹ بنائے۔ مذہب کو خاموشی سے یہ برداشت کرنا چاہیے کہ اُسے عقل اور ترقی کے تیشوں، چھینیوں سے آہستہ آہستہ تراشا جاتا رہے،

یہاں تک کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ بن کے رہ جائے۔ باقی رہی دُنیا اور اس کے معاملات، سو اسے لوگ اپنی عقل سے چلاتے رہیں گے، جیسے لادین قومیں چلا رہی ہیں۔

مسلمان ملکوں میں محبانِ دین کی اکثریت کے مقابلے میں لادینیت پسندوں اور انحراف پسندوں کا اصل مسلک یہ ہے کہ بات کو دلیل کے راستے پر لانا ہی نہیں، کوئی بھی مسئلہ ہو اُس کے لیے خوب شور مچانا ہے، فقرے بازیاں کرنی ہیں، پارلیمنٹ میں فضا بنانی ہے، سیکولر مزاج صحافت کے اکھاڑوں میں کرشمے دکھلانے ہیں اور ہر دعوٰی دھونس سے کرنا ہے۔

اس کے لیے ایک جاہلانہ عذر بھی ہے۔ دلیل کی بات تو پھر علم کی بات ہوئی۔ علم کی بات چھڑی تو نبیِ اُمّی کا لایا ہوا "مذہب" وہ نہ رہا جس کا اصل مخاطب جاہل آدمی (LAYMAN) ہے۔ پھر علم کی بات آئی تو علماء محفل میں آگھسیں گے اور اپنی بات کہنا چاہیں گے۔ اس وجہ سے عاصمہ جہانگیر صاحبہ نے اُوپر کے اقتباس میں جو شاندار دعوے کیے ہیں ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی کوئی دلیل ـــــ خواہ وہ منصوص ہو، روایتی یا تاریخی ہو یا سائنسی یا عقلی ہو ـــــ نہیں پیش فرمائی۔ ان کے تصورِ اسلام کی رُو سے ایسی ہی بے دلیل دھونس سے کام چلانا چاہیے۔

آپ کا اصل کام یہ تھا کہ آپ خواتین کے سلسلے میں اسلام کے طے کردہ حقوق اور اعزازات کو خود قرآن و حدیث سے اخذ کردہ دلائل سے ثابت کرتیں اور پھر اپنے انتہائی "معتوب" مولویوں کو بھی حق دیتیں کہ وہ جوابی دلائل لائیں۔ اس طرح سارا معاملہ دلیل کے زور سے حل ہوتا کہ قرآن و حدیث میں عورت کے لیے کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

ہم گذارش کریں گے کہ جس کا جی چاہے لادینیت والی مسلمانی پہ چلے، مگر اپنی تگڑم دھونس سے نہ لڑائے بلکہ غور و استدلال کا راستہ اختیار کرے، بتائے کہ قرآن میں عورت کے متعلق کیا کیا حقوق و فرائض وارد ہیں۔ خاندانی اور ازدواجی زندگی کے متعلق کیا احکام ہیں، گھر سے باہر کے کاموں کے لیے عورت جب نکلے تو اس کے لیے کیا ہدایات ہیں، قانونِ حجاب اور اخفائے زینت کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں ؟ استدلال کے راستے سے اگر آپ یہ ثابت کر دیں

کہ عورتوں پر سرے سے کوئی پابندی ہی اسلام میں نہیں ہے، کسی آیت یا حدیث میں اُن کے لیے کسی امر میں کوئی تحدید یا قدغن نہیں ہے بلکہ ساری پابندیاں اور ساری تحدیدات صرف مردوں کے لیے ہی ہیں تو ایسی مدلّل گفتگو کا ہم خیر مقدم کریں گے۔ آپ ثابت کریں کہ جو باتیں علماء کہتے ہیں وہ نہ قرآن میں ہیں، نہ حدیث میں ہیں، نہ صحابہ و تابعین میں، نہ محدثین و فقہا میں اور نہ مفسرین و متکلمین کے یہاں اُن کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ ایسا آپ ثابت کردیں تو کس عالم کی مجال ہے کہ وہ عورت کے متعلق زبان کھول سکے۔ لیکن استدلال صرف اس صورت میں وزن رکھتا ہے جبکہ جوابی استدلال کے لیے دروازے کھلے ہوں اور نسوانی قسم کی چیخم دھاڑ نہ مچا دی جائے۔ اب اگر علماء (یا مولوی)، دلائل کے زور سے ایک ایک آیت، اور ایک ایک حدیث اور صحابہ کرامؓ اور علماء و صلحائے اُمت کے متفق علیہ تصورات کو سچ ثابت کر دکھائیں تو پھر منطق و استدلال کی شریعت کا فتویٰ یہ بھی ہے کہ آپ کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

آپ اپنے نقطہ نظر کے حق میں اور علماء کے دعووں و تقاضوں کے خلاف بہ صد شوق عربی لغت و منطق اور سنّتِ رسولؐ اور سنّتِ امہات المومنینؓ اور طریقِ صحابہؓ اور مسلماتِ اُمت کو زور و شور سے استعمال کریں اور ان بنیادوں پر اپنے نقطہ نظر اور اپنے فورم کے منشور کو برحق ثابت کریں۔ معلوم نہیں یہاں کیا مصیبت آئی ہوئی ہے کہ اسلام کے خلاف عمل کرنے یا بات کرنے کے لیے کسی جدید ذہن کو ٹھوس استدلال کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایسے لوگ نہ غور سے احکام و ہدایات کو پڑھتے ہیں اور نہ خدا و رسول کی باتوں کو جاننے کے بعد ان کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ محض اپنی خواہشات اور جذبات کے زور سے جس بڑی سے بڑی حقیقت کی چاہیں، تردید کر دیتے ہیں اور جس جھوٹ اور یاوہ گوئی کو چاہیں اسلام کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں یہ طریقہ نہ جمہوری ہے، نہ عقلی اور نہ دینی!

عاصمہ جہانگیر صاحبہ کو شدید غصہ ہے علمائے دین پر۔ ان کے وجود کو بے معنی بنانے کے لیے انہوں نے یہ حکیمانہ کلام پیش فرمایا ہے کہ کتنی اچھی بات ہے کہ جاہل لوگوں کے لیے ایک

ان پڑھ کو نبی بنایا گیا اور خدا اور انسان کے درمیان کسی عالم کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ ہر جاہل آدمی بغیر کسی علم کے واصل بحق ہو سکتا ہے۔

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آج اسلام کو سمجھنے کے لیے کم سے کم قرآن کو تو جاننے کی ضرورت ہے۔ پہلے عربی زبان سیکھنی ہوگی، پھر قرآن کے منشا کے مطابق تفکر و تدبر کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ عربی نہ سیکھ سکیں تو بدرجۂ آخر آپ کو ایسے عالم کی ضرورت ہوگی جو قرآن کا ترجمہ آپ کے لیے کر کے دے۔ پھر آپ کو یہ جاننا ہوگا کہ اس کے مطابق قرآن کو لانے والے رسولؐ نے عملاً کیا عقیدے سکھائے اور ان کی تبلیغ کیسے کی؟ عبادات کیسے انجام دیں؟ اخلاقی لحاظ سے کیا نمونہ پیش کیا؟ حکومت و قضا کے معاملوں میں کیا طریقہ اختیار کیا اور کن امور سے منع کیا؟ دولت کے بارے میں کیا تعلیم دی؟ عورت کے لیے کیا حقوق و فرائض مقرر کیے؟ طریق بحث و استدلال کیا سکھایا؟ فیصلے کے لیے کسوٹی کیا مقرر کی؟ طریقہ ہائے اغیار کے بارے میں کیا رویہ متعین کیا؟ جنگ اور صلح کے معاملات کس طرح چلائے؟

ان معاملات میں حضورؐ کے قریب ترین اور تربیت یافتہ ساتھیوں نے ہمارے لیے کیا سامانِ ہدایت فراہم کیا؟ ان کے بعد کے بے شمار محققین نے متذکرہ سوالوں کے جواب میں کن کن دلائل کی بنا پہ کیا کیا رائیں دیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے بعد ہی آج کے پیش آمدہ مسائل میں پورے اعتماد سے کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ سارے علوم جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا جس شخص میں جمع ہو جائیں گے تو وہ تو آپ کے غضب آلود اندازِ فکر کے متعلق "مولوی" قرار پائے گا اور مولوی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ خدا اور عامی یا جاہل (LAYMAN) کے درمیان حائل ہو۔

دیکھیے محترمہ! دنیا کے ہر نظام اور شعبے کے اپنے "مولوی" ہوتے ہیں جن کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ مثلاً آج جو قانونی نظام چل رہا ہے اس کے مولویوں کو وکیل اور بیرسٹر کہتے ہیں۔ اب آپ قانون کی کوئی بھی دل پسند تعبیر کرتی ہیں تو پہلے آپ کو وکیل سمجھاتا ہے کہ یہ تعبیر درست نہیں ہے۔ پھر اگر آپ نہیں مانتیں تو کوئی جج آپ کی من مانی تعبیر کی دھجیاں اُڑا دیتا ہے۔ آپ جھنجھلا کے کہتی ہیں کہ انصاف اور میرے درمیان حائل ہونے والے ججوں اور وکیلوں کی کیا حیثیت ہے۔ میں جانوں اور انصاف جانے۔ خبردار جو کوئی دوسرا بولے تو!

تعمیرِ عمارت کے سلسلے میں صاحبِ عمارت کہتا ہے کہ انجینیر اور نقشہ نویس کون ہوتے ہیں جو میرے اور میرے تصورِ عمارت کے درمیان حائل ہونے کی جسارت کرتے ہیں۔ سیاست میں ریاست اور عوام کے درمیان کچھ لیڈر ـــ صدر، وزرا اور پارلیمانی اراکین ـــ حائل ہو جاتے ہیں۔ مریض کی صحت و سلامتی کے سلسلے میں ڈاکٹروں، ڈریسروں اور نرسوں کی ایک دیوار کیوں سامنے آکھڑی ہوتی ہے، علم اور طالب علم کے درمیان مدرسہ، مدرس اور کتبِ نصاب کیوں رکاوٹ بنیں ـــــــــ اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور عوام کے درمیان آپ کا "فورم" کیوں مداخلتِ بے جا کا مدعی بن کے کھڑا ہو؟ اسے بھی اچھال کے پرے پھینکیے اور پھر بات کیجیے۔

مشکل یہ ہے کہ خدا نے یہ دنیا بنائی ہی اسی طرح ہے کہ آدمی ہر دائرے میں اہلِ علم کا محتاج ہے اور ان سے استفادہ کیے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔

قابلِ اعتراض صرف یہ بات ہوتی کہ وکیل صرف وکیل کا بیٹا ہوگا، لیڈر صرف لیڈروں کے خاص طبقے سے متعلق ہوگا اور عالمِ دین صرف علما کے مقررہ خانوادے سے اٹھے گا۔ جس طرح کوئی وکیل آپ کو روکے ہوئے نہیں ہے کہ آپ مروجہ قانون کا مطالعہ نہ کریں، اسی طرح کوئی عالمِ دین آپ کو اس سے باز رکھنے کا مجاز نہیں ہے کہ آپ خود علمِ دین حاصل کر کے وہی برابر کی پوزیشن حاصل نہ کریں۔

آخر عورتوں کو بہ حیثیت ایک طبقے کے الگ محفوظ کر کے، علمائے دین کی جملہ تعداد کو جو طبقہ کی تعریف میں نہیں آتی، اپنی راہ میں مذہب کو رکاوٹ بنانے کا مجرم قرار دے کر آپ نامطلوب قرار دیتی ہیں تو اس قسم کی دھاندلی بازی کا کیا تعلق ہے قانون سازی سے یا مذہب سے یا علمی بحثوں سے۔ دنیا بھر میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قانون سازی کی بحثوں سے قانون کے علما کو نکال باہر کیا گیا ہو، یا مذہب کے مسائل چھڑیں تو مذہب کا مطالعہ کرنے والوں کو ایک طرف ہٹا دیا جائے۔ یا کوئی علمی بحث فلسفے، تاریخ یا معیشت کے دائرے میں چھڑے تو پہلے محفل سے متعلقہ علوم کے جاننے والوں کو رخصت کر دیا جائے اور یہ محض اس اندیشے کا سدِباب کرنے کے لیے کہ جو غلط باتیں ہمیں کسی دائرۂ علم کے متعلق سوچنی اور اختیار کرنی ہیں، ان

میں کوئی شخص اپنے علم اور استدلال کے ذریعے رکاوٹ نہ بن سکے۔

آخر میں ہماری گزارش یہ ہے کہ دین و دنیا کے اہم مباحث میں اپنی خواہشوں اور نفرتوں کو برتر قرار دے کر ہمیں ایسی بے تکی حرکات نہیں کرنی چاہئیں جن کی تائید نہ مذہب کرے، نہ جمہوریت، نہ عقل۔ گفتگو کے اچھے اسالیب پیدا کیجیے، جھگڑے کھڑے کرنے اور دوسروں کے تلخ جذبات کو اُکسانے کے بجائے شائستگی کی فضا میں اختلاف کو لائیے۔ مگر اپنی باتیں جذباتی ہیجانات کے ساتھ نہ لائیے، بلکہ عقلی استدلال کے سامنے لائیے۔

اور یہ بات ضرور سوچیے کہ کسی قوم کے مرد یا خواتین اپنے عقیدوں اور نظریوں، اپنے قانون اور اخلاق اور اپنی تہذیب اور ثقافت کو چھوڑ کر دوسروں کی غلامی و نقالی کرنے سے دنیا میں کبھی برتری حاصل نہیں کر سکتے۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کی بگھیوں میں جُتت جانے سے کبھی برتری اور ترقی نہیں ملتی۔ بلکہ دل و دماغ اُلٹا اور پست ہو جاتے ہیں اور احساسِ ذلت کے سرچشمے اندروں سے پھوٹ پڑتے ہیں۔ "فورم" سے تعلق رکھنے والی تمام خواتین سے درخواست ہے کہ وہ مغربی معاشروں اور مغربی تحریکوں کی نقالی کو چھوڑیں۔ قرآن و حدیث کی بنیادوں اور اپنے دینی و تہذیبی مقاصد کے لیے اپنے آپ کو جمع کریں اور غیر خدا پرستانہ فکری و تہذیبی سامراج کے خلاف ہر گھر اور خاندان کو ایک مضبوط مورچہ بنا دیں۔

یہ وقت مردوں اور عورتوں کی کشمکش کے بجائے اس فیصلہ کن رویّے کا تقاضا کرتا ہے کہ کون مادہ پرستانہ تہذیب کے طور اطوار میں اپنے ساتھ ساری قوم کو جکڑ دینا چاہتا ہے اور کون خود بھی اور اپنے حلقہ اثر کے ہر بزرگ، دوست اور بچے تک کو خدا پرستانہ تہذیب کے محاذ کا سپاہی بناتا ہے۔

تو سوچنے کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے عاصمہ جہانگیر صاحبہ!

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اسلامی شریعت کے نفاذ کی جدوجہد

(ادارہ)

اگر اسلام خود اپنا ایک نظامِ زندگی رکھتا ہے جس میں عقائد، اخلاق اور عبادات کے ساتھ انفرادی طرزِ عمل اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں، اور اگر اسلام کی دعوت اپنے اس پورے نظام کی طرف ہے، اور اگر اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کا اپنا نظام ہی برحق ہے اور اسی میں انسان کی فلاح ہے اور اس کے سوا ہر دوسرا نظام باطل ہے، تو ان باتوں کے ساتھ یہ قطعی ناگزیر ہے کہ اسلام زمین میں اپنے نظام کو غالب اور دوسرے نظامات کو مغلوب کرنے کا بھی تقاضا کرے۔ ایک نظامِ زندگی کو حق اور صدق ہونے کی حیثیت سے پیش کرنا اور پھر عملاً اس کی اقامت کی دعوت نہ دینا سراسر ایک مہمل بات ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ مہمل بات یہ ہے کہ دوسرے نظامات کو باطل بھی کہا جائے۔ اور پھر ان کے غلبے کو برداشت بھی کیا جائے۔ مزید برآں یہ بات بداہتہً محال ہے کہ ایک نظامِ زندگی کی پیروی کسی دوسرے نظامِ زندگی کے ماتحت رہتے ہوئے کی جا سکے۔ اس لیے وہ صرف ایک فاطر العقل ہی ہو سکتا ہے جو ایک ہی وقت میں اپنے پیش کردہ نظام کی پیروی کا مطالبہ بھی کرے اور ساتھ ہی دوسرے نظامات کے اندر پُرامن وفادارانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم بھی دے۔

پس اسلام کا اپنے مخصوص نظامِ زندگی کی طرف دعوت دینا عین اپنی فطرت میں اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے نظامات کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے نظام کی اقامت کا مطالبہ کرے۔ اور اس مقصد کے لیے اپنے پیروؤں کو جدوجہد کی ان تمام صورتوں کے اختیار کرنے کا حکم دے،

جن سے یہ مقصد حل ہوا کرتا ہے اور مدعیانِ اتباع کے ایمان و عدمِ ایمان کا نشانِ امتیاز اسی سوال کو قرار دے کہ آیا وہ اس جد و جہد میں جان و مال کی بازی لگاتے ہیں یا باطل نظامات کے ماتحت جینے پر راضی رہتے ہیں؟ قرآن اور حدیث دونوں کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے، آپ کو صاف نظر آجائے گا ـــــ بشرطیکہ دل میں کوئی چور نہ ہو ـــــ کہ اسلام کا اصل موقف یہی ہے نہ کہ وہ جو آپ بیان فرما رہے ہیں۔

پھر جب حقیقت یہ ہے کہ ہم اسلام کی حقیقت کو جان کر اس پر ایمان لاتے ہیں تو لازماً ہمارے وجود کو ہر غیر اسلامی حکومت کے لیے کھلا چیلنج ہونا چاہیے۔ کوئی اس کو برداشت کرے یا نہ کرے، غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل ہو سکے یا نہ ہو سکے، بہرحال اگر ہم اپنے ایمان میں صادق ہیں تو ہمارا کام یہی ہے کہ جہاں بھی خدا کا قانونِ شرعی نافذ نہیں ہے وہاں ہم اس کے نفاذ کے لیے جد و جہد کریں۔ ہمارا مسلمان ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے کہ جو لوگ خدا سے پھرے ہوئے نہیں ہیں وہ ہماری اس جد و جہد کو برداشت بھی کریں۔ اور غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل بھی ہمارے لیے کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس نظامِ زندگی پر ہم ایمان لائے ہیں اس کے قیام کی جد و جہد صرف اس لیے چھوڑ دیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل اس صورت میں نہ ہو سکے گا۔ اسلام بے شک امن اور سلامتی کا حامی اور مؤید ہے، مگر اس کی نگاہ میں حقیقی امن اور سلامتی وہی ہے جو حدود اللہ کی اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی نے امن اور سلامتی کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ شیطانی نظامات کے زیر سایہ اطمینان کے ساتھ سارے کاروبار چلتے رہیں اور مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹنے، اس نے اسلام کا نقطۂ نظر بالکل نہیں سمجھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم ہو جانا چاہیے کہ اسلام ایسے امن اور ایسی سلامتی کا ہرگز حامی اور مؤید نہیں ہے۔ اُسے دوسروں کا قائم کردہ امن نہیں، بلکہ اپنا قائم کردہ امن مطلوب ہے اور اسی میں وہ انسان کی سلامتی دیکھتا ہے۔

ماہ صفر المظفر

توہمات، روایات اور واقعات

جناب میر محمد حسین صاحب

قرآن مجید میں عقیدۂ توحید پر جتنا زور دیا گیا ہے، اتنا اسلام کے کسی دوسرے عقیدہ یا حکم پر نہیں دیا گیا۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ توحید وہ خشتِ اوّل ہے کہ اگر یہ کج رہ جاتی تو انسانی سیرت و کردار کی یہ عمارت ثریا تک پہنچ جانے کے باوجود کج ہوتی۔ قرآن مجید نے توحید خداوندی کے مختلف پہلوؤں کو اس تفصیل اور اس زوردار طریقے سے بیان کیا کہ شرک کی ہر آلائش کو انسان کے قلب و ذہن سے کھرچ کھرچ کر نکال دینے کی کوشش کی۔ اس نے نہ صرف اصنام، اشخاص، رسوم اور ہوائے نفس کی پرستش سے منع کیا بلکہ دورِ جاہلیت کی ہر طرح کی اوہام پرستی کا بھی استیصال کیا۔ کیونکہ اوہام پرستی جہاں ایک طرف اس تعقل و تفکر کی ضد تھی جس کی عادت قرآن انسان کو ڈالنا چاہتا تھا وہاں دوسری طرف اس شرف و عظمت کی بھی نفی کرتی تھی جو اللہ تعالیٰ نے بفحوائے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ انسان کو عطا کیا تھا اور جس کے ذریعے وہ اس گرفتارِ احساسِ کمتری کو کائنات پر اپنی بالادستی و برتری کا احساس دلانا چاہتا تھا۔

عرب طرح طرح کے جن توہمات میں گرفتار تھے، ان میں فال لینا، ستاروں سے اپنی قسمت وابستہ کرنا، بعض اشیا کو سعد (مبارک)، اور بعض کو نحس (منحوس) خیال کرنا بھی تھا۔ چنانچہ صفر کے مہینہ کو بھی وہ منحوس تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مہینہ میں عمرہ کرنے کو ان کے ہاں ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ ان میں مشہور تھا کہ اذا برء الدبر وعفی الاثر

وانسلخ صفر حلت العمرة کہ جب زخم بھر جائیں، نشان ہائے قدم مٹ جائیں اور ماہ صفر گذر جائے تو عمرہ جائز ہوتا ہے۔ اس مہینہ کو دیا گیا نام بھی ان کی اس نفرت کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے دلوں میں، اس کو منحوس تصور کرتے ہوئے جاگزیں ہو گئی تھی۔ کیونکہ صفر عربی زبان میں اس بیماری کا نام ہے جس میں آدمی کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے اور جسے یرقان بھی کہتے ہیں۔ صفر کا معنیٰ بھوک اور فاقہ بھی ہے۔ صفر پیٹ کے کیڑے کو بھی کہتے ہیں اور جاہل عربوں کے نزدیک وہ ایک سانپ ہوتا ہے جو اس بیماری کے وقت انسان کو کاٹتا تھا اور جس کی وجہ سے یہ بیماری بڑی تیزی کے ساتھ دوسروں کو بھی لگ جاتی تھی۔ ظاہر ہے صفر کے یہ تمام معانی توہم پرست عربوں کے نزدیک اپنے اندر ایک نحوست لیے ہوئے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صفر کا معنیٰ خالی بھی ہوتا ہے اور لوگ اس مہینہ میں تہی دست ہو کر تلاشِ رزق میں دوسرے علاقوں کو نکل کھڑے ہوتے تھے اور ان کی بستیاں خالی ہو جاتی تھیں۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ قبائل اس ماہ میں باہم لڑتے تھے اور دشمن کو ہر چیز سے محروم و تہی دست کر دیتے تھے۔

غالباً اس مہینہ کی اسی تحقیر کا نتیجہ تھا کہ عرب اسے اپنی حیلہ سازیوں کا ذریعہ بنا لیتے تھے۔ محرم اشہر حرم یعنی ان چار مہینوں میں شامل ہے جن میں عربوں کے نزدیک جنگ کرنا ممنوع تھا اور وہ یہ مہینے تھے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ مگر عربوں جیسی جنگ جو قوم کے لیے مسلسل تین ماہ تک جنگ سے دست بردار رہنا مشکل ہو جاتا، اس لیے وہ محرم کی جگہ صفر کو شہر حرام قرار دے کر محرم سے جنگ کو جائز قرار دے لیتے تھے۔

احکامِ الٰہی میں حیلہ سازی کا یہ وہ عمل ہے جسے قرآن مجید نے نَسِیْئ کہا ہے اور جسے کفر در کفر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: انما النسئ زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیواطئوا عدة ما حرم الله فیحلوا ما احل الله۔ زین لهم سوء اعمالهم والله لا یهدی القوم الکفرین ہ

عربوں میں سب سے پہلے یہ حرکت بنو کنانہ کے تین آدمیوں میں سے بقول قتادہ عمرو بن یحییٰ اور بقول کلبی نعیم بن ثعلبہ اور بقول زہری حذیفہ بن عبید نے کی جسے قلمس بھی کہا جاتا ہے۔

قتادہ، قطرب اور طبری کہتے ہیں کہ عربوں نے صفر کو مستقل طور پہ اشہر حرم میں شامل کر کے ان کی تعداد پانچ کر دی تھی مگر قرطبی اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

بہر حال یہ مسلمہ امر ہے کہ عرب ماہ صفر کو ایک منحوس مہینہ شمار کرتے تھے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان اپنی کمزور فطرت اور ضعیف الاعتقادی کے سبب ظہور پذیر ہونے والے ناخوشگوار و خوشگوار واقعات کو ان ساعتوں، دنوں، مہینوں یا سالوں کی طرف جن میں وہ ظہور پذیر ہوتے ہیں، یا ان اشخاص کی طرف جن کی موجودگی میں وہ پیش آتے ہیں، منسوب کر لیتا ہے اور اس طرح ان سب کو منحوس یا سعید تصور کرنے لگ جاتا ہے اور انہی امور کو ان واقعات کی عللِ حقیقیہ تصور کرنے لگتا ہے جب کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ان میں سے کوئی چیز بھی بذاتِ خود نہ نحس ہے نہ سعد۔ یہ واقعات صرف اور صرف مشیت و ارادہ ایزدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

بے شک قرآن مجید نے بھی بعض راتوں کو مبارک اور بعض ایام کو منحوس قرار دیا ہے۔ مثلاً جس رات کو قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اُسے لیلۃ مبارکۃ کہا گیا ہے۔ سورۃ الدخان میں ہے: انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین۔ اور سورۂ حم السجدہ میں قومِ عاد پہ نازل ہونے والے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فارسلنا علیھم ریحاً صرصراً فی ایام نحسات لنذیقھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا۔

لیکن یہ وہ برکت ہے جو اس رات کو نزولِ قرآن جیسے عظیم الشان واقعہ کے بعد اور اس کی بدولت حاصل ہوئی۔ ایسے ہی قوم عاد کی زندگی کے آخری آٹھ ایام، ان پہ عذاب نازل ہونے کے بعد اور اس کی وجہ سے منحوس قرار پائے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ رات بذاتِ خود پہلے سے ہی بابرکت تھی یا یہ ایام روزِ ازل ہی سے منحوس و نامبارک تھے۔

جب کہ ضعیف الاعتقاد اقوام و اشخاص کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ، گھڑی، دن سال، انسان یا دوسری مخلوق بذاتِ خود منحوس یا مبارک ہے اور اسی کی وجہ سے ناخوشگوار اور خوشگوار واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ عرب انہیں توہمات کا شکار تھے اور ماہ صفر کے متعلق بھی ایسی ہی مشرکانہ توہم پرستی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے زوردار طریقے سے اس کی نفی کی اور فرمایا: لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر اور بعض احادیث میں ولا طیرۃ کا بھی اضافہ ہے کہ امراض کے متعدی ہونے، اُلّو کو منحوس تصور کرنے اور ماہ صفر کے نامسعود ہونے کے بارے میں تم جن توہمات کا شکار ہو، ان کی کوئی حقیقت نہیں، اسی طرح بدشگونی بھی بے اصل و بے بنیاد ہے۔

مگر افسوس! کہ قرآن مجید میں توحید اور ردِّ شرک پر اس قدر زور دیے جانے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے سعد ونحس کے اس شیطانی چکر کی پُرزور تردید کے باوجود جاہل عربوں کی طرح آج کے مسلمان بھی انہی طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہیں اور طابق النعل بالنعل کی حد یہ ہے کہ عربوں کی طرح وہ بھی ماہ صفر کو ایک نامبارک مہینہ تصور کرتے ہیں۔ خاص طور پر صفر کے پہلے تیرہ دنوں کو۔ برِصغیر میں ان کو تیرہ تیزی کہا جاتا ہے اور انہیں منحوس سمجھا جاتا ہے اور ان کی نحوست سے بچنے کے لیے اس ماہ کے آخری چہار شنبہ کو روزہ رکھا جاتا ہے جسے چوری روزہ کہتے ہیں اور چوری تیار کر کے یا گھونگنیاں پکا کر لوگوں کو کھلائی جاتی ہیں حالانکہ ان کی کوئی اصل و بنیاد نہیں۔

اس توہم کی بنیاد غالباً یہ واقعہ ہے کہ اس کے آخری دنوں ۲۸، ۲۹ کو بروز چہار شنبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخار اور دردِ سر میں مبتلا ہو گئے۔ یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا اور آخر ۱۲ ربیع الاول کو آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

بے شک اس ماہ کے آخر میں نہ صرف حضور بعارضہ بخار مبتلا ہوئے بلکہ واقدی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق صفر ۴ھ میں حادثہ رجیع پیش آیا جس میں عضل و قارہ قبائل کے کچھ لوگوں نے حضورؐ سے ان کے ہاں مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ حضورؐ نے درخواست قبول کرتے ہوئے مبلغین بھیج دیے، مگر جب وہ بنی لحیان کی بستیوں کے قریب

پہنچے تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ صرف خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ کو زندہ قریش کے حوالے کر دیا گیا۔ بیر معونہ کا حادثہ فاجعہ بھی اسی ماہ میں پیش آیا جس میں بہت سے قراء کو تبلیغ کے لیے بلا کر راستے میں دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔

لیکن اس کے سامنے ہی اس ماہ میں کئی ایک خوشگوار واقعات بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک روایت کے مطابق ماہ صفر کے آخر میں حضرت فاطمہ کا نکاح ہوا۔ اگر یہ مہینہ منحوس ہوتا تو حضورؐ اپنی لختِ جگر کا نکاح اس مہینہ میں کیوں کرتے۔ اسی طرح اسلام کا سب سے پہلا غزوہ جسے غزوہ ابواء یا غزوہ ودّان بھی کہتے ہیں بروایت واقدی، ابن اسحاق، ابن سعد اور طبری صفر ہی میں ہوا۔ بنو قینقاع جیسے اسلام دشمن یہودیوں کا محاصرہ بھی حضورؐ نے اسی ماہ صفر کی ۷، ۹ تاریخ کو کیا۔ غزوہ خیبر اگرچہ شروع تو پہلے ہی ہو چکا تھا مگر اس کا اختتام ابن اسحاق کی روایت کے مطابق صفر ۷ھ کے اوائل میں ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی ایک بہت بڑی فتح تھی اور پھر حضورؐ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہؓ کو جھنڈا دے کر رومیوں سے جہاد کے لیے جو جیش روانہ کیا تھا وہ صفر ہی کے مہینے میں روانہ کیا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ ماہ صفر میں اگر کچھ ناخوشگوار واقعات پیش آئے تو اس سے یہ تصور نہ کر لینا چاہیے کہ معاذ اللہ یہ مہینہ نحس ہے کیونکہ اس ماہ میں کئی خوشگوار واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں اور اسلامی سال کا ہر مہینہ ایسے ہی دوگونہ واقعات سے بھرا ہوا ہے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

امام بخاریؒ اور ان کی علمی خدمات

جناب عبد الرشید عراقی صاحب

(۳)

صحت بخاری پر اجماع امت الجامع الصحیح کی صحت کے متعلق علمائے متقدمین و محدثین کرام نے اتنا لکھا ہے کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن نمونہ مشتے از خروارے حاضر خدمت ہے۔

حافظ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وکتابهما اصح الکتب بعد کتاب الله العزیز ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثرها فوائد[1]

یعنی کتاب اللہ کے بعد بخاری و مسلم کی کتاب سب سے صحیح ترین کتاب ہے، پھر ان دونوں صحیح کتابوں میں صحیح بخاری کا درجہ باعتبار صحت مقدم ہے اور اکثر الفوائد ہونے کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر تقدم حاصل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

والاجماع حاصل علی ان لهما مزیة فیهما یرجع الی نفس الصحة[2]

یعنی صحیحین کی حدیثوں کی صحت ہی کی وجہ سے ان دونوں کی مزیت و فضیلت

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۷

[2] شرح نخبہ۔

پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔
مولانا عبدالحئی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے اپنی کتاب ظفر الامانی میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اتفق الجمهور علی ان صحیح البخاری اصحها صحیحا واکثرها فوائد[1]

یعنی جمہور اُمت کا فیصلہ متفقہ یہ ہے کہ صحیح بخاری صحیح مسلم سے زیادہ صحیح ہے اور زیادہ فوائد پر مشتمل ہے۔
حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیهما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع[2]

یعنی صحیحین (بخاری و مسلم) کے متعلق تمام محدثین اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم کے مرفوع متصل حدیثیں تمام کی تمام صحیح ہیں۔
امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

واعلم ان ما کان من الاحادیث فی الصحیحین او فی احدهما جاز الاحتجاج به من دون بحث لانهما التزما الصحة وتلقت ما فیهما الامة بالقبول[3]

اے مخاطب اس چیز کو جان لے کہ جو حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں یا کسی ایک کتاب میں یعنی بخاری میں یا مسلم میں۔ پوری صحت کا التزام ہے۔ اور یہ سب قابلِ احتجاج ہیں۔ ان میں کوئی بحث راوی وغیرہ نہ کی جائے، کیونکہ بخاری و مسلم نے

[1] ظفر الامانی ص ۶۱
[2] حجۃ ج ۱ ص ۱۳۴
[3] نیل الاوطار ج ص ۱۲

پوری پوری صحت کا التزام کیا ہے اور اُمت نے ان روایات کو قبول کیا ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فاعلم ان الذی تقرر عند جمهور المحدثین ان صحیح البخاری مقدم علی سائر الکتب المصنفة حتی قالوا اصح الکتب بعد کتاب الله صحیح البخاری[1]

یعنی جمہور محدثین کے نزدیک صحیح بخاری تمام کتب مصنفہ (در علم حدیث) پر مقدم ہے اور محدثین کا مشہور مقولہ ہے کہ سب کتبِ حدیث میں بعد قرآن مجید صحیح بخاری ہے۔

الجامع الصحیح کے ابواب و روایات کی تعداد

صحیح بخاری میں ۱۶۰ کتاب ہیں۔ ۳۴۵۰ ابواب ہیں۔ اور ان تمام شیوخ کی تعداد جن سے صحیح بخاری کی حدیثیں لی گئی ہیں ۲۸۹ ہے۔ ۱۳۴ مشائخ ایسے ہیں جن سے مسلم نے روایت نہیں کیا۔ صرف امام بخاری نے روایت کی ہے۔

تکرار کے ساتھ بخاری کی روایات کی تعداد ۷۲۷۵ ہے اور عدم تکرار کے ساتھ ۴۰۰۰ ہے۔[2]

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ مرفوع روایات کی تعداد ۲۳۹۷ ہے۔

تکرار کے ساتھ متابعات و تعلیقات کی تعداد ۱۳۴۱ ہے، جن میں اکثر کو امام بخاری نے مسنداً بیان کر دیا ہے اور موقوفاتِ صحابہ اور مقطوعاتِ تابعین کی تعداد ۳۴۱ ہے۔ اس طرح مجموعی تعداد ۸۰۷۹ ہے۔ غیر مکرر روایات مرفوعہ ۲۳۵۳ اور غیر مکرر متابع و معلق ۱۶۰ ہیں۔ اس طرح غیر مکرر مجموعہ ۲۵۱۳ ہے۔ اس تعداد میں آثار صحابہ و تابعین جن کا تراجم ابواب میں تذکرہ ہے، شامل نہیں ہیں۔[3]

صحیح بخاری کے شروح و حواشی

صحیح بخاری کی حُسنِ قبولیت اور بلند پایہ ہونے کا اندازہ اس سے

---

[1] مقدمہ شرح مشکوٰۃ المصابیح (لمعات)

[2] تدریب الراوی امام نووی (م ۶۷۶ھ)

[3] مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۵

ہوسکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام کی بلا امتیاز کسی فرقہ کے برابر اس کی خدمت میں مصروف رہے ہیں۔ کسی نے شرح لکھی، کسی نے اس کے رجال پر توجہ دی۔ بعضوں نے ابواب فقیہہ اور تراجم الوباب کے دقائق کی چھان بین کی۔ کسی نے اس کی تجرید کی، کسی نے اختصار، کسی نے تعلیقات لکھیں، کسی نے حواشی لکھے۔ اکثر اہلِ علم نے الفاظ غریب مشکلہ کے لغات لکھے، کسی نے نحوی مسائل پر توجہ کی۔ بعض نے اس کے شروط پر بحث کی۔ اس کی شرح میں بعض نے مبسوط، کسی نے متوسط اور کسی نے مختصر لکھی۔ صحیح بخاری کے متعلق مکمل استقصا بہت مشکل ہے مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری (م ۱۳۴۲ھ) نے سیرۃ البخاری میں ۴۶ شروع کا ذکر کیا ہے، جو عربی، فارسی، اردو میں ہیں [1]

یہاں صرف بخاری کی تین مشہور شروح کا مختصر تذکرہ اور برصغیر پاک و ہند میں الجامع الصحیح کی اہل علم نے جو خدمت کی ہے۔ ان میں سے چند معروف و مشہور کتابوں کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ تین مشہور و معروف شروح یہ ہیں:۔

۱۔ فتح الباری۔ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

۲۔ عمدۃ القاری۔ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی (م ۸۵۵ھ)

۳۔ ارشاد الساری۔ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

فتح الباری | فتح الباری الجامع الصحیح کی مشہور و معروف شرح ہے اور اس شرح کی نسبت مشہور مقولہ ہے۔

لاھجرۃ بعد الفتح

علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری کی شرح کا دین اُمت پر باقی ہے۔ حالانکہ اس وقت کئی شرحیں منصہ شہود پر آچکی تھیں۔ علامہ ابن خلدون کا مقصد یہ تھا کہ صحیح بخاری کے وہ نکات جو فنِ حدیث اور رجال سے متعلق ہیں یا وہ تدقیقات فقیہہ جو تراجم الوباب سے تعلق رکھتے ہیں، اُن پر آج تک کسی نے محققانہ بحث نہیں کی ہے

[1] سیرۃ البخاری ص ۲۰۶ تا ۲۵۱۔

جب علامہ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری مکمل کر لی اور حافظ سخاوی (م ۹۰۲ھ) کی نظر سے گزری تو انتا فرمایا کہ ابن خلدون نے جو فرمایا تھا کہ بخاری کی شرح کا دین امت پہ باقی ہے۔ اب یہ دین ادا ہو گیا ہے[1] حافظ ابن حجر نے اس شرح پر یہ قاعدہ کلیہ استعمال کیا ہے کہ

جس مقصد کے لیے جہاں اس حدیث کو امام بخاری لاتے ہیں، اس کی شرح وبسط سے وہاں کام لیتے ہیں اور پوری حدیث کی شرح کا حوالہ دوسری جگہ پہ محمول کر دیتے ہیں۔ جہاں پوری حدیث کی شرح لکھی ہے۔ تحقیقات وتدقیقات کے اعتبار سے یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے۔

محققین جس رفعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کے لیے لا ھجرۃ بعد الفتح کا جملہ کافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس شرح کا آغاز ۸۱۷ھ میں کیا اور ۸۴۲ھ میں یہ شرح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کا مقدمہ علیحدہ ہدی الساری کے نام سے لکھا، جس کی ذیل فصلیں ہیں اور ہر فصل کے ضمن میں بہت سی فصلیں ہیں ۔۔۔ اس مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے بہترین علمی نکات بیان کیے ہیں اور اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔

فصل نمبر ۱ صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب۔
〃 نمبر ۲ صحیح بخاری کا اصل موضوع اور شروط
〃 نمبر ۳ احادیث کی تقطیع اور اختصار
〃 نمبر ۴ احادیثِ مرفوعہ کے معلق لانے اور آثارِ مرفوعہ کا ذکر
〃 نمبر ۵ الفاظ غریبہ ومشکلہ کا حل
〃 نمبر ۶ بخاری میں مذکور اسماء، القاب اور کنیتوں کا ذکر
〃 نمبر ۷ امام بخاری کے شیوخ کی توضیح جن کو امام بخاری نے مبہم ذکر کیا۔
〃 نمبر ۸ ان احادیث کا سلسلہ سند کا ذکر جن پر امام دارقطنی یا دیگر نقادِ فن نے تنقید کی تھی۔
〃 نمبر ۹ ان رواۃ کا ذکر جن پر بعض محدثین نے کلام کیا۔
〃 نمبر ۱۰ کتاب کے ابواب کی خاصی فہرست۔

[1] الضوء اللامع ص ۱۲

مقدمہ کے آخر میں امام بخاری کی سیرت اور بقیہ تالیفاتِ امام بخاری و تلامذہ کے حالات لکھے ہیں۔ فتح الباری مع مقدمہ ۱۴ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

عمدۃ القاری علامہ عینی (م ۸۵۵ھ) نے اس شرح کی تالیف کا آغاز ۸۲۹ھ میں کیا۔ اور ۸۴۷ھ میں اس کی تکمیل کی۔ علامہ عینی نے اپنی اس تصنیف میں فتح الباری سے بہت مدد لی۔ یہ شرح بہت عمدہ ہے۔ مطالب کی توضیح تو خوب کرتی ہے، لیکن اسے فتح الباری کی سی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ کسی ماہرِ فن کا یہ قول بہت صحیح ہے۔

الاول فتح الباری مفید للکملۃ و الثانی العینی مفید للطلبۃ

فتح الباری فقیہوں کے لیے مفید ہے اور عینی بتدیوں کے لیے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:

حیث قال و یفضل الاول (فتح الباری) علی الثانی (عمدۃ القاری) تحقیقاً وتنقیداً والثانی علی الاول توضیحاً وتفصیلاً

فتح الباری کو عینی پر بحیثیت تحقیق و تنقید کے فضیلت ہے اور عینی کو بحیثیت تفصیل اور توضیح مطلب کے۔

یہ شرح بھی چھپ چکی ہے۔

ارشاد الساری یہ شرح حامل متن ہے۔ اس شرح میں مشکلات کا حل کیا ہے۔ مبہمات کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک صاحبِ درس آدمی کے لیے یہ شرح بہت مفید ہے۔ مصنّف خود فرماتے ہیں۔

ولم انحاش من الاعادۃ فی الافادۃ عند الحاجۃ الی البیان

یہ شرح بڑی بڑی شروح کی تلخیص ہے بالخصوص فتح الباری تو اس کا اصل ماخذ ہے۔

اس شرح میں پہلے ایک مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں کئی فصلیں ہیں۔ ۱۔ فضیلتِ علمِ حدیث۔ ۲۔ جن لوگوں نے فنِ حدیث کو پہلے جمع کیا اور جو ان کے بعد آئے۔ ۳۔ اصول حدیث۔ ۴۔ صحیح بخاری کی شروط اور ترجیح۔ ۵۔ امام بخاری کی سیرت، شروح بخاری۔ یہ شرح مع مقدمہ کے طبع ہو چکی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں بخاری کی مشہور و معروف شروح الجامع الصحیح پر برصغیر میں ہر مکتب فکر کے اہلِ قلم نے بہترین علمی خدمات سر انجام دی ہیں۔ ان سب کا تذکرہ مقالہ کو طول دینا ہے۔ تاہم چند مشہور و معروف

شروح، حواشی، تعلیقات اور اردو تراجم کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ تیسیر القاری (فارسی) علامہ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ)

۲۔ عون الباری بحل ادلۃ البخاری (عربی) محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خان قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ)

۳۔ حل صحیح بخاری (حواشی عربی) مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۸ھ)

۴۔ حل صحیح بخاری یعنی نسخہ عتیقہ صحیحہ مع حل ومشکلات وحواشی وجمیع نسخ (عربی) ۳۰ جلد از شیخ الکل مولینا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۳ھ)

۵۔ فیض الباری (عربی) از علامہ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۱ھ)

۶۔ تراجم البخاری شرح ثلاثیات البخاری (عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)

۷۔ فضل الباری ترجمہ ثلاثیات البخاری (عربی) علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ)

۸۔ الدراری الناشرات فی ترجمۃ ما فی البخاری من الثلاثیات (عربی) مولانا شیخ قاضی مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ)

۹۔ تخریج آیات الجامع الصحیح البخاری (عربی) مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی (م ۱۳۸۱ھ)

۱۰۔ القاری فی ثلاثیات البخاری (عربی) مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)

۱۱۔ صمصام الباری علی عنق جارح البخاری (عربی) مولانا محمد دلیکاولی (م ۱۳۵۰ھ)

۱۲۔ حواشی علی الصحیح البخاری (عربی) مولانا عزیز زبیدی و مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (غیر مطبوعہ)

۱۳۔ تیسیر الباری (اردو) مولانا وحید الزمان حیدر آبادی (م ۱۳۳۸ھ)

۱۴۔ فضل الباری (اردو) مولانا حافظ ابوالحسن محمد سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ)

۱۵۔ نصرۃ الباری (اردو) مولانا عبدالاول غزنوی (م ۱۳۱۳ھ)

۱۶۔ حل مشکلات بخاری (اردو) مولانا ابوالقاسم سیف بخاری (م ۱۳۶۹ھ)

۱۷۔ فہارس الساری فی اطراف البخاری (عربی) مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ (م ۱۳۵۹ھ)

اس کتاب میں صحیح بخاری کے اطراف جمع کیے ہیں اور ایک ایک حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ کس کس باب میں مختصر یا مطول آئی ہے اور فتح الباری اور عمدۃ القاری کے صفحات بھی ذکر کر دیئے ہیں[2]

---

[1] ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۴۲ ۔ [2] سیرۃ البخاری ص ۲۴۸

قرآن اور تاثیرِ قرآن ——— ایک معجزہ

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

ماہ رمضان المبارک نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اور جس طرح رمضان المبارک مسلمانوں کو نیکی، تقویٰ اور پاکیزگی کا سبق دیتا ہے اسی طرح قرآنِ پاک پوری بنی نوع انسان کے لیے کتاب ہدایت اور رہنمائے صراط مستقیم ہے۔ اسی ہدایت کی خاطر اس میں قدرت نے ایک خاص تاثیر پوشیدہ رکھی ہے جو تسخیرِ قلوب کی عظیم الشان قوت رکھتی ہے۔

قرآن کا نزول کوئی معمولی درجے کا واقعہ نہیں ہے بلکہ قیامت تک کی انسانیت کو اللہ سے مخاطب ہونے اور اس سے اپنی زندگی کے لیے رہنمائی حاصل کرنے کا موقع فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس حقیقت نے قرآن کی فضیلت کو دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ اہمیت عطا کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی واحد کتاب ہے جو دُنیا میں اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ اور زیر و زبر کے معمولی سے فرق کے بغیر موجود ہے۔ دُنیا کے کسی خطے میں جایئے آپ کو ہر جگہ یہی قرآن اسی ترتیب، انہی حروف اور انہی الفاظ میں ہر کہیں ملے گا۔ اور ان میں ذرہ برابر بھی فرق نہ ہوگا یہ بھی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔

یہ قرآن ایک معجزہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال تک پے در پے اور موج در موج نازل ہوتا رہا۔ جب یہ نازل ہو رہا تھا تو اس کلام کے سامنے بڑے بڑے زبان آور خطیبوں، شاعروں اور ادیبوں کی زبانیں گنگ تھیں۔ وہ جلیل و جمیل، عظیم و کبیر، فصیح و بلیغ، تندو تیز اور زوردار، ہولناک و ہیبت ناک، دہشت ناک و مرعوب کُن گرجنے والا اور

دبا دینے والا- عاجز کر دینے والا اور سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دینے والا اور ورا الورا ہیبت کا حامل غیر انسانی الٰہی کلام تھا - قرآن ایک معجزہ بن کر اُترا جس کا کسی کے پاس کوئی توڑ نہ تھا جو سیلاب کی طرح یلغار کرتا، برق کی طرح کڑکتا، بارش کی طرح برستا، بادل کی طرح چڑھتا، بجلی کی طرح کوندتا، دریا کی طرح لہریں مارتا، طوفان کی طرح اُمنڈتا اور پھولوں کی طرح مہکتا تھا - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی کا انقلاب آفرین ترجمان یہی تھا۔ کفار کے سارے ہتھکنڈوں کے مقابلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ تنہا ہتھیار کافی تھا -

تنہا یہ قرآن ہی کافروں کی ساری یلغاروں پر بھاری تھا - اس کا کوئی توڑ نہ تھا - اس کا کوئی جوڑ نہ تھا - اس کا مقابلہ کسی کے بس میں نہ تھا - یہ بے پناہ توانائی کا حامل ہتھیار تھا، جو حضورؐ کے پاس تھا - اس کی کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جس پر گرفت کی جا سکے اور جس کی تردید ہو سکے - اور جس سے پہلو تہی کی جا سکے - یہ زبانوں کو گنگ کر دینے والا، عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور چہروں کو فق کر دینے والا کلام تھا - یہ بار بار اپنے مخاطبین اور منکروں کو چیلنج کرتا تھا - اور اس کے چیلنج کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا - حضورؐ تنہائی کے باوجود اس کے ذریعے عظیم لشکروں کے مالک تھے - بے بسی کے باوجود اس کے ساتھ بہت زور آور تھے - بے سہارا ہونے کے باوجود اس کے ذریعے زبردست تائید اور حمایت کے حامل تھے - اس کی حمایت نے حضورؐ کو ایک ایسی حمایت فراہم کر دی تھی جس کے بعد حضورؐ کو اور کسی حمایت کی محتاجی نہ تھی -

---

آج تک دُنیا میں کسی نے اتنا بڑا دعویٰ نہیں کیا جتنا بڑا دعویٰ حضور اکرمؐ کا تھا کہ آپؐ رحمت للعالمین ہیں - آپؐ خاتم النبیین ہیں، آپؐ ساری دُنیا کی طرف ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اپنے اس عظیم دعوے کے ثبوت میں آپؐ نے بس یہی ایک کتاب دُنیا کے سامنے پیش کر دی اور اس کتاب نے ساری دُنیا کو چیلنج کر دیا - اس کتاب کے سامنے آج تک کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی -

قرآن کی یہ خصوصیت حیران کن ہے کہ اس میں بیک وقت علوم عقلی اور علومِ روحانی و اخروی دونوں پُرزور دریاؤں کی طرح پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس میں سمندر کی سی گہرائی اور عمق ہے۔ اس میں سمندر کے موتیوں کی سی نفع رسانی اور آب و تاب ہے۔ اس میں شکوک و شبہات کو بہالے جانے والی روانی اور قوت ہے۔ اس میں بے تکان مسلسل پڑھتے جانے کی رعنائی، خوبی اور لذت ہے۔ اس عظیم اور بھاری بھرکم کتاب میں حفظ ہو جانے اور دل و دماغ میں اتر جانے کی خوبی ہے۔ اس کی ہدایت کسی کے لیے خاص نہیں ہے سب کے لیے عام ہے۔ اس کے ارشادات محدود نہیں غیر محدود ہیں۔ یہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور اس کے پاکیزہ تقاضوں کی خود داعی ہے۔ اس میں کسی نسل یا قوم کی محدودیت نہیں ہے۔ یہ کسی گروہ کو خدا کی بندگی سے ازلی طور پر خارج نہیں کرتی اور نہ کسی گروہ کو ازلی طور پر خدا کی معبودیت کا مصداق قرار دیتی ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے رُوئے زمین کے ہر خطے تک اپنے قوانین پہنچائے اور ان کا واحد قابلِ عمل ہونا ثابت کیا ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے رنگ و قومیت اور مُلک و ملت کے امتیاز سے بالا ہو کر ساری دُنیا کو اپنا فیض پہنچایا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ تمام الٰہی مذاہب کی پاکیزہ تعلیمات کی تائید کرتی اور ان کو بہتر صورت میں پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب دُنیا کی کسی مسلّمہ صداقت کی تردید نہیں کرتی۔ صداقت شعاری اس کی شانِ امتیازی ہے۔ اس صداقت پسندی میں عدل و انصاف کی روش اس کا خاص طرزِ عمل ہے۔ یہ کتاب راست بازوں کی تائید کرتی اور ان کو تقویت پہنچاتی ہے۔

قرآن ایک قولِ فیصل ہے اس نے تمام انسانی مسائل کو حل کر دیا ہے۔ قرآن کے بعد افکارِ انسانی کا کوئی پیچیدہ مسئلہ بھی اب لاینحل نہیں رہ گیا ہے۔ قرآن نے افراط میں مبتلا اور تفریط کی ماری ہوئی پوری انسانیت کو اعتدال کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے کلام کا آغاز اس دعوے سے کرسکتی ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ

شک و شبے سے ماوراء ہے اور لاریبَ فیہ اس کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہ قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ اس کا اسلوب بیان نہایت شائستہ، پاکیزہ اور پُراز حکمت ہے۔ اس میں کوئی ایک لفظ بھی تہذیب کے دائرے سے باہر اور شرم و حیا کے تقاضوں کے منافی نہیں ہے۔ اس نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ پیدائش انسانی کے عقدے کو حل کیا ہے اور کمال درجے کی حکمت و شائستگی کے ساتھ اس نے ایسے نازک مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے

قرآن نے کہا:

ترجمہ: اے رسولؐ سب کو کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔

قرآن کا یہ دعویٰ صدیوں سے قائم ہے اور اس دعوے کی موجودگی میں مخالفینِ اسلام چاہے کتنا ہی زور لگالیں وہ قرآن کے سامنے بے بس ہیں۔ ایک انسان جس نے کوئی تعلیم نہیں پائی اور انہیں کے درمیان پلا بڑھا ہے۔ وہ ایسا چیلنج دے رہا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے چیلنج کو باطل کر سکے۔ آج دنیا ترقی کر کے علم و ادب کے تارے توڑ لائی ہے، علوم کے دریا بہا دیئے گئے ہیں۔ علوم کی یونیورسٹیاں کھڑی ہو گئی ہیں اور آج بھی یہ چیلنج اسی طرح سب اہل باطل کے سامنے کھڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس زبان میں جس میں یہ چیلنج دیا گیا ہے جس قدر زیادہ مہارت رکھتا ہے اسی قدر وہ بہتر جانتا ہے کہ اس کا جواب ممکن نہیں ہے۔

قرآن نے زندگی کے بارے میں بنیادی اصول بیان کیے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کی حکمتیں اور دلائل بیان کیے ہیں اور آج زمانہ کے علوم ترقی کر کے کہیں سے کہیں چلے گئے ہیں۔ آج بھی قرآن کے ان اصولوں میں سے کوئی اصول بھی نہ پرانا ہوا ہے اور نہ اس کی تردید ممکن ہے۔ اس میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ زمانے کی ترقی نہ اس میں کسی شے کو کم ثابت کرتی ہے اور نہ زیادہ۔ یہ ایک

مکمل جامع اور ناقابل ترمیم و اضافہ کتاب ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ (حٰمٓ سجدہ ۴۲)

"باطل اس کے آگے یا پیچھے سے نہ آسکے گا۔ یہ تو خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کردہ ہے۔"

قرآن کا مقابلہ ممکن ہی نہیں ہے نہ اس کی شیرینی کا، نہ ادبیت کا، نہ روانی کا اور نہ موزونیت کا، نہ تلاوت اور لطافت کا، نہ زورِ بیان اور زورِ استدلال کا، نہ حرکت اور تحریک کا، نہ رعب و دبدبہ اور عظمت کا۔ یہ چھوٹے چھوٹے بولوں اور پیارے پیارے جملوں کا مرقع ہے — زبان شستہ، الفاظ شیریں، جملے پر اثر، تراکیب دلگداز، انداز بیان ادب سے بھرپور، ایسا کلام جو دلوں میں تیر و نشتر کی طرح اترتا چلا جاتا ہے۔ آنکھوں میں حسن و خوبی کی طرح سماتا چلا جاتا ہے۔ کانوں میں مٹھاس کی طرح رس گھولتا ہے۔ اور اس کے جملوں کا حسنِ تناسب آدمی کو اسے دہرانے، یاد کرنے، تلاوت کرنے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ سچائیاں عالمگیر بیان ہوتی ہیں اور الفاظ و تماثیل مقامی استعمال ہوتے ہیں۔ دلائل آفاقی ہیں اور تاریخی شواہد مانوس اور جانے پہچانے ہیں۔ حقائق ازلی و ابدی ہیں اور مثالیں آس پاس کی ہیں۔ سننے والوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی چیز ناقابل فہم اور اجنبی نہیں ہے۔ اس میں سنگ دلوں کو پگھلا دینے کی قوت ہے۔ اس میں بےحسوں کو جھنجھوڑ ڈالنے کی صلاحیت ہے۔ اس میں ظالموں کو موم کر دینے کی حرارت ہے۔ اس میں بےسمجھوں کو سمجھا دینے کا سلیقہ ہے۔ اس میں جاہلوں کو علم دینے، بےشعوروں کو شعور عطا کرنے اور بےخبروں کو آگاہ اور متنبہ کرنے کی طاقت ہے۔ اس میں جباروں کو ڈرا دینے کی اور بزدلوں بہادر بنا دینے کی اور شاہ زوروں کو جھکا دینے کی توانائی ہے۔ اس کی یہی اثر پذیری تھی جس سے بڑے بڑے مضبوط دل والے خوف کھاتے تھے۔ کانوں میں روئی ٹھونس لیتے تھے کہ یہ قرآن ان کو فتح نہ کر لے اور جب اسے بادشاہوں کے درباروں میں پڑھا جاتا تھا تو درباروں میں سناٹا ہوتا تھا اور آنکھوں میں آنسو چھلک پڑتے تھے۔

مکہ کے مشرکوں نے حضورؐ کے ساتھیوں پر جب ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو انہیں حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن قریش کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ مسلمان کسی جگہ جا کر سُکھ کا سانس لے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ کر کے سفارت مرتب کی اور شاہ حبشہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے لیے تحفے تحائف لے جا کر پیش کیے اور پھر ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے "بھگوڑوں" کو اُن کے حوالے کر دیں۔ اہلِ دربار کو وہ پہلے ہی ہموار کر چکے تھے۔ چنانچہ اس مطالبے کی تائید بھی اہلِ دربار کی طرف سے بیک وقت ہو گئی۔ لیکن نجاشی نے کہا "ٹھہرو! میں اپنے ملک میں پناہ لینے والوں کو اس طرح کسی کے حوالے نہیں کر سکتا، جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ اصل بات کیا ہے"۔ چنانچہ بادشاہ نے اصحاب رسول اکرمؐ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ انہوں نے باہمی یہی فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہی تعلیم پیش کی جائے جو حضورؐ اکرم نے انہیں دی ہے۔ پھر چاہے وہ رکھے یا نکالے۔ چنانچہ دربار میں پہنچ کر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بھرپور اور برجستہ تقریر کی، جس میں اپنے دورِ جاہلیت کی خرابیاں اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے قریش کے مظالم کا ذکر کیا اور اپنے حبشہ میں ہجرت کر کے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ ظلم سے بچ سکیں۔ نجاشی نے ان کی تقریر سُن کر کہا "اچھا تم مجھے ذرا وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے اُترا ہے"۔ اس پر حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی، جس میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کا ذکر ہے۔ نجاشی نے یہ کلام سُنا تو رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تربتر ہو گئی۔ حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے کہا۔

> "یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰؑ لائے تھے، دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔ خدا کی قسم! میں تمہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا"۔

قریش کی سفارت کے ایک ہوشیار نمائندے نے پھر بات اُٹھائی کہ جناب ذرا ان کا عقیدہ تو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں معلوم کیجیے۔

دوسرے روز مہاجرین پھر بلائے گئے، وہ بہت پریشان تھے، انہیں معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے والا ایک نازک مسئلہ چھیڑ دیا گیا ہے، جو عیسائیوں کا متفق علیہ

عقیدہ ہے۔ لیکن مسلمانوں نے یہی فیصلہ کیا کہ بات وہ کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے سکھائی ہے چاہے وہ ہمیں حبش میں رکھے چاہے اُن کے حوالے کر دے۔ چنانچہ دربار میں نجاشی نے جب یہ سوال دہرایا تو حضرت جعفرؓ نے بے تکلف اور بے جھجک اٹھ کر کہا:

هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَرُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ ۔

"وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں، جسے اللہ نے کنواری مریم پر کیا"۔

نجاشی نے یہ بات سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

"خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے۔ عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے"۔

حضورؐ اکرم کی دعوتِ اسلامی کا یہی عظیم الشان ہتھیار قرآن تھا، جو حضورؐ کے پاس اللہ کی طرف سے موجود تھا۔ یہ قرآن بادشاہوں کو ان کے بھرے درباروں میں اعترافِ حقیقت پر مجبور کر دیتا تھا۔

(باقی)

ایک نشری تقریر

شرک ـــــ ظلمِ عظیم

نعیم صدیقی

کائنات خدا کی سلطنت ہے جسے بنانے میں اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ اُس کے سوا کوئی دوسرا موجود تھا ہی نہیں۔ اللہ خود ہی بدیع السمٰوٰت والارض تھا، اُس نے بلا شرکتِ غیرے "کُن" کا حکم جاری کیا اور اس حکم کی تعمیل میں کائنات اُس شکل میں وجود میں آگئی جیسے کہ اللہ نے چاہا۔

اِس کائنات کی ہر شے اور اس کا ہر ذرّہ نہ صرف اُس کی مخلوق ہے، بلکہ اس کی بندگی میں بھی محو ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ہر موج اس کی تسبیح خواں ہے۔ ہر کرن اس کا ذکر کر رہی ہے۔ ہر وجود اس کے قوانین کی بے چون وچرا پیروی کرتا ہے۔ اور ہر کوئی رحمٰن کے سامنے عبدیّت و عاجزی کے مقام پر پیش ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کو اُس نے تھام رکھا ہے، تمام جانداروں کی پیشانی کے بال اُس کی مٹھی میں ہیں۔ بڑے بڑے اجرامِ فلکی کے مدار اور ان کی مہیب رفتاریں مقرر کرنے والا وہی ہے۔ وہ اپنی اس سلطنت کا تنہا خالق و مالک بھی ہے اور تنہا ہی اس کا فرمانروا بھی ہے۔ کسی دوسرے کا نہ اس کے بنانے میں کوئی حصہ ہے، نہ اس کے چلانے میں۔

اِس سلطنتِ کائنات کا مالک صرف ایک ہے۔ اس کا حاکم صرف ایک ہے۔ اس کا کارپرداز صرف ایک ہے۔ اس میں صرف ایک ہی مالک و معبود کی جگہ ہے، اس کا ایک ہی عرش ہے، کوئی دوسرا عرش والا نہیں۔ اُس کی ایک ہی کرسی ہے، کوئی دوسرا کرسی والا نہیں۔

اس کا ایک ہی قانونی نظام ہے، کوئی دوسرا قانون چلانے والا نہیں۔ ایسی توحیدی کائنات میں خدائے وحدہٗ لاشریک نے عقل رکھنے والی جو بھی مخلوق پیدا کی ہے اس کے لیے لازم کر دیا ہے کہ وہ اپنے خدائے واحد کی عبادت میں زندگی گذارے۔ سورۃ الذاریات میں وارد ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ٥ (۵۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کا مقصدِ وجود ہی یہ قرار دیا ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس پوری دنیا میں خدا کے ماسوا ہر چیز اور ہر متنفس کا مقام بندگی کا مقام ہے، کوئی دوسرا الٰہ یا خدا نہیں اور نہ کسی کے پاس الوہیت یا خدائی کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی ہے۔

شرک پر بات کرنے کے پہلے خدا کی توحید کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے، کیونکہ سارا دین اسی ایک نکتے کی تفسیر ہے۔ حضورؐ نے توحید کو راس الطاعات کہا، یعنی خدا کی عبادت اور بندگی اور فرمانبرداری کی جڑ بنیاد توحید ہے۔ جس نے توحید کو قائم کر لیا اس کا سارا دین درست ہوا اور جس نے توحید کو ضائع کر دیا اس کی ساری نیکیاں اُن شاخوں کی طرح بکھر گئیں جو جڑ سے کاٹ دی گئی ہوں۔

توحید یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں سے عبادت چاہتا ہے، عاجزی چاہتا ہے، فرمانبرداری چاہتا ہے، وہ یکسوئی طلب کرتا ہے، وہ اخلاص مانگتا ہے، وہ دورنگی چھوڑ کر یک رنگی کا تقاضا کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ سب کی طرف سے منہ موڑ کر میری طرف رخ کر لو، میرے لیے نیتوں اور اعمال کو خالص کر لو، میرے لیے پیشانیاں زمین پر ڈال دو اور سجدے جاؤ، تمام زندگی کو میرے لیے وقف کر دو، ہر قدم میری اجازت سے اور میری مرضی کے مطابق اٹھاؤ، پکارنا ہو تو مجھے پکارو، مانگنا ہو تو مجھ سے مانگو، دعائیں کرنا ہوں تو مجھ سے کرو، مصائب سے نجات چاہو تو میں "کَاشِفُ الضُّرِّ وَالسُّوْءِ" ہوں، کسی کے مقابل میں پناہ ڈھونڈنی پڑے تو میری پناہ میں آؤ، خوف کھاؤ تو صرف میری گرفت کا کھاؤ، اعمال کی جزا و سزا کا تصور کرو تو میری جانب سے ہی کرو، تقدیر کو بنانے اور بگاڑنے والا صرف مجھے مانو۔

یہ ہے وہ رویہ جو خدا ہم سے طلب کرتا ہے اور اس کے لیے ہمیں انبیاء کے ذریعے دین کی تعلیم دلواتا ہے۔ وہ نیتوں اور جذبوں میں کوئی ملاوٹ گوارا نہیں کرتا۔ وہ ایمان اور عمل کے کھرے سکے مانگتا ہے نہ کھوٹ اُس کے ہاں قبول نہیں۔ اگر اس کی عبادت کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی جائے، اس کی مرضیات کے ساتھ کسی اور کی مرضیات کی بھی پیروی کی جائے، اس سے حاجات مانگنے کے ساتھ ساتھ دوسروں سے بھی حاجات طلب کی جائیں، اس کے ساتھ اس کی مخلوق سے بھی اُمیدیں لگائی جائیں اور خوف کھایا جائے، یہ شرک کا رویّہ ہے۔

شرک سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے۔ اور اس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا ہے کہ شرک کا قطعی نتیجہ جہنّم ہے اور شرک کر کے زندگی گزارنے والے کے لیے کوئی بخشش نہیں اور جہنّم سے کسی صورت میں نجات نہیں۔ علاوہ ازیں شرک حبطِ اعمال کا باعث ہے، یعنی کوئی نیکی بھی اگر کی ہو تو غارت۔

سورۂ لقمان میں یہ بات بڑی نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ یہاں شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے اور دوسری کئی آیات اور احادیث میں شرک کو ظلم کہا گیا ہے۔ آخر شرک کے ظلم یا ظلمِ عظیم ہونے کا مطلب کیا ہوا؟

ظلم دراصل کسی کی حق ماری اور کسی کے ساتھ بے انصافی کرنے کو کہتے ہیں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا صریحاً ظلم ہے۔ آخر جس وجود یا رُوح یا شخص کو کائنات کے بنانے، انسان کے پیدا کرنے، قانونِ فطرت کے مقرر کرنے، دین کا نظامِ ہدایت ترتیب دینے، رزق پہنچانے اور زندہ رکھنے اور مارنے میں کوئی دخل ہی نہ ہو اور جیسے بارش کے برسنے میں، بیماریوں کے وارد ہونے اور چلے جانے میں، مصیبتوں کے نازل ہونے اور ہٹ جانے میں، فصلوں کے شاداب ہونے اور سُوکھ جانے میں، اور اولادوں کے پیدا ہونے اور نہ ہونے میں سرے سے کوئی دخل ہی نہ ہو، اگر اسے خدا کے ان اختیارات، حقوق اور صفات میں حصہ دار بنا دیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ ظلم ہے بلکہ ظلمِ عظیم ہے۔

دُنیا کا کوئی عام بادشاہ اس پر تیار نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی بادشاہی میں کسی دوسرے کو

حصہ دار مان لے یا وہ رعیت کو اس بات کی اجازت دے دے کہ لوگ جسے چاہیں اُس کا شریک بناتے رہیں۔ اُس کے بھی حکم مانیں، اُس کو بھی سلامیاں دیں، اُس کے سامنے بھی نذرانے پیش کریں، اُس کا بھی جھنڈا ہو، اس کی بھی مہر ہو، اُس کا بھی تاج ہو، اُس کے بھی افسر اور کارندے مقرر ہوں۔ یہ حق کوئی حکمران کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔

کوئی باپ اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اُس کی اولاد کے سامنے کوئی دوسرا بھی اپنے آپ کو باپ کی حیثیت سے پیش کرے یا خود اولاد میں سے کوئی اُٹھے اور اصلی باپ کے ساتھ کسی جھوٹے باپ کو پدریت کے مقام پر بٹھائے۔ پدریت اپنے ساتھ کوئی شرکت برداشت نہیں کرتی۔ ایسا ہو تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

کوئی شوہر ٹھنڈے دل سے اس زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے کہ اس کے شوہرانہ مرتبے میں کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ حصہ دار ہو یا اُس کی بیوی کسی دوسرے کے لیے ایسا چاہے۔ اسی طرح، زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں اختیار اور ملکیت کا چھوٹا سا جو جز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو ملا ہو، اُس میں بھی وہ کسی دوسرے کو اپنا ساجھے دار نہیں مان سکتا۔ شہد کی مکھی اور چیونٹی تک اپنے اس حق کا شعور رکھتی ہے۔

پھر آخر کیسے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ خدا جس کی خدائی سچی، جس کا اقتدار حقیقی، جس کا حکم جاری و ساری اور جس کے قوانین پہاڑوں سے لے کر رائی کے دانے تک بے روک ٹوک نافذ ہیں، وہ اپنے مقام میں اپنی کسی ادنیٰ مخلوق کو حصہ دار بنا لے گا۔

وہ فوق الکل ہے، اس کی کسی سے رشتہ داری نہیں، وہ کسی کے لیے جذباتی جھکاؤ نہیں رکھتا، وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں، اسے کسی تمثیل و مثال کی ضرورت نہیں، اُسے بھوک نہیں لگتی کہ وہ کسی غذا کا حاجت مند ہو، اُسے اونگھ نہیں آتی کہ وہ سو جانے کے دوران میں کسی قائم مقام نگران کی موجودگی چاہتا ہو۔ وہ مچھر کے چلنے کی آواز تک بھی خود سن لیتا ہے، اُسے کسی آلے اور کسی معاون کی ضرورت نہیں کہ وہ اُسے بعض آوازیں سنوائے۔ وہ اپنی ہر مخلوق پر اپنی دستِ قہاری کی گرفت بغیر کسی تھکن کے رکھے ہوئے ہے اُسے کیا ضرورت کہ وہ کسی سے چاہے کہ آنا ذرا میرا ہاتھ بٹانا۔ اُسے بھول چوک لاحق نہیں ہوتی کہ وہ کسی سے خواہش کرے

کہ ذرا فلاں بات مجھے یاد دلا دینا۔

رزق کے خزانوں کی تمام کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ غیب کے تمام اسرار و رموز اُس کے لاانتہا علم کے دفتر میں محفوظ ہیں۔ تقدیر کے سابق اور آیندہ فیصلے سارے اس کی لوح محفوظ میں ثبت ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں اور دُنیاؤں کی اجلِ مسمّٰی کو طے کرنے والا وہ خود ہے۔ برق و رعد کے طوفانوں کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں ہے۔ صبح و شام کے پہیے کو وہ گھماتا ہے۔ موسموں کا ادل بدل وہ کرتا ہے ــــ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بندۂ خاکی کیسے جرأت کرتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ کبھی بُتوں کو، کبھی قبروں کو، کبھی دیوی دیوتاؤں کو، کبھی مظاہرِ قدرت کو، کبھی ارواح کو، کبھی ستاروں کو، کبھی درختوں اور سانپوں اور بندروں کو، کبھی احبار و رہبان، کبھی طاغوتوں اور ساحروں اور شیطانوں کو شریک ٹھیرا لیتا ہے۔

شرک کی چند بڑی قسمیں ہیں۔ ایک شرک فی الذات ہوتا ہے، یعنی مدعی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدائی کا نظام ایک ہستی کے بجائے دو یا تین یا زیادہ ہستیاں چلا رہی ہیں۔ دوسرا شرک فی الصفات ہے، یعنی پیدا کرنا، رزق دینا، حکم جاری کرنا، زندگی موت کے فیصلے کرنا، مالکِ یوم الدین ہونا وغیرہ۔ خاص مراتب اور صفات جو صرف اللہ کے لیے ہیں، مشرک ان صفات کو دوسروں میں بھی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مشرک خدا کے حقوق میں شرک کرتا ہے۔ یعنی یہ حق اس کا ہے کہ اس کی پرستش کی جائے۔ اس کے آگے نذریں پیش کی جائیں، اس کے لیے مال خرچ کیا جائے، اُس کے لیے جانور قربان کیے جائیں، اس کی راہ میں جہاد کیا جائے۔ اس کے نام کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں فدا کر دی جائیں، اُسے ملجا و ماویٰ مانا جائے، اُس سے دُعائیں مانگی جائیں، اس سے جزا کی اُمید اور اس سے سزا کا خوف رکھا جائے، مگر مشرک یہ کرتا ہے کہ خدا کے ان حقوق میں دوسروں کو بھی حصہ دار بنا دیتا ہے۔

شرک کرنے والوں نے خدا کے ہونے کا انکار نہیں کیا اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ کائنات کا خالق وہ تنہا نہیں یا اس کارخانے کا مالک وہ اکیلا نہیں یا علم اور حکم اور اختیار کے لحاظ سے وہ سب سے برتر نہیں، بلکہ شرک کرنے والوں کو شیطان نے ایسے طریقے سکھائے کہ انھوں نے توحید کے ایوان میں نقب لگائی اور ایسی نقب لگائی کہ آسانی سے پتہ بھی نہیں چلتا۔

مشرک کہتے ہیں کہ ہم بتوں یا روحوں یا جنوں یا ستاروں کو خدا نہیں سمجھتے، بلکہ ہمارا عقیدہ صرف یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیاں ہمیں خدا کے قریب کر سکتی ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری دعائیں اور عبادتیں اللہ تک پہنچانے اور ان کا پورا نتیجہ حاصل کرنے میں ہمارا ذریعہ ہیں۔ ان کی مدد سے اللہ تک ہماری بات پہنچ جاتی ہے اور ان کی مدد سے وہ منظور ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ خدا سے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھیے یہ فلاں فلاں لوگ ہمارے آدمی ہیں، آپ ہمارے آدمیوں کا خاص خیال رکھیں۔ پھر جو کچھ وہ چاہتے ہیں، اللہ سے منوا لیتے ہیں۔ اور جس عرضی پر چاہیں دستخط کرا لیتے ہیں، کیونکہ وہ نیک اور پاک ہیں، اللہ کے پیارے ہیں، اللہ سے ان کی دوستی اور قرابت ہے۔

شیطان اس کام کے لیے پروہتوں اور پجاریوں اور مہنتوں اور پادریوں و مجاوروں اور نجومیوں اور جادوگروں کی کئی ٹیمیں تیار کر کے میدان میں لے آتا ہے۔ یہ سب بڑی مہارت سے اپنے اپنے بتوں، اپنے اپنے طاغوتوں اور اپنے اپنے شیاطین اور اپنی اپنی ارواح کی طرف بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں آؤ، یہ اللہ کے پیارے ہیں، اللہ کے مقرب ہیں، ان کے ذریعے ہر مراد پوری کرا سکتے ہو، اور ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ان کا دل خوش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری ٹہل سیوا کرو، ہمارے آگے سلام کرو، ہمارے سامنے ہاتھ جوڑو، ہمیں کھلاؤ پلاؤ، ہمارے لیے گھی اور مرغ لاؤ، ہمارے لیے دودھ کا چڑھاوا چڑھاؤ، پھل پیش کرو، جانور لا کر ذبح کرو، پارچات پیش کرو، مٹھائیاں اور نقدی نذر کرو، پھر ہم تمھارے لیے خدا کے پیاروں کو راضی کریں گے اور وہ تمھارے لیے خدا سے دعائیں کریں گے اور جو کچھ وہ مانگیں گے، لازماً ملے گا۔ دولت ملے گی، وزارت ملے گی، ترقی ملے گی، شادی ہو جائے گی، اولاد ملے گی، مقدمے میں فتح ہوگی، بیماری کا زور ختم ہو جائے گا، تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور تمھارے دشمنوں کا صفایا ہو جائے گا۔

سارا کھیل دراصل بتوں اور طاغوتوں کے ان ٹھیکیداروں کا ہوتا ہے اور سادہ دل آدمی مارا جاتا ہے، نہ دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں نے جگہ جگہ شرک کی ایجنسیاں کھول رکھی ہیں اور ہر مشرکانہ طریقے کو تقدس کے

رنگ میں رنگ دیا ہے۔

سب سے سخت دردناک معاملہ تو ایسے انبیاء، ایسے صالحین اور ایسے موحد بزرگوں کا ہے جنہوں نے ساری ساری زندگیاں توحید کو پھیلانے اور شرک کی بیخ کنی میں گذار دیں، مگر جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے اُن سے انتقام لینے کے لیے انہی کے مرقدوں پر اپنے لمبے چوڑے کیمپ لگا کر شرک کے چشمے جاری کر دیے۔ یعنی تم بزرگوں نے جس خلق اللہ کو توحید کا درس دیا تھا، اب تمہارے ہی نام پر ہم اس کو شرک کی گندگی میں مبتلا کر کے لاتے ہیں ــ اور عین اُس جگہ لاتے ہیں جہاں تم مدفون ہو۔

سامعین کرام! جو کوئی چاہے کہ وہ خدا کی عدالت میں بہ روز قیامت عزت و شرف حاصل کرے اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ توحید کی اس طرح حفاظت کرے جیسے آدمی اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے، جیسے عزت و ناموس کی حفاظت کی جاتی ہے اور جیسے رات کو صحرا سے گذرنے والا راہی اپنے کیسۂ زر کی حفاظت کرتا ہے۔

سیدھی طرح دل میں اس بات پر گرہ باندھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تمام سلامیاں، تمام عاجزیاں اور تمام پاکیزہ اعمال اس کے لیے ہیں۔ عبادت کی ہر شکل صرف اس کے لیے مخصوص ہے۔ اصل اطاعت اس کی اطاعت ہے، دوسری کوئی اطاعت بھی صرف اس کی اجازت سے اور اس کی مقررہ حدود میں کی جا سکتی ہے۔ مانگنے اور دعائیں کرنے اور فریادیں کرنے کا مرکز وہی ایک ہے۔ جب مصیبت گھیر ڈال لیتی ہے تو ایک وہی ہے جو مصیبت زدہ کے بچاؤ کا سامان کرتا ہے۔ وہ کوئی فیصلہ کر دے تو اسے بدلنے والا کوئی نہیں۔ وہ کچھ عطا کرنا چاہے تو اُسے روکنے والا کوئی نہیں، وہ اگر کوئی چیز روکنا چاہے تو عطا کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ ہر دوسرے سے اپنی بات زبردستی منوا سکتا ہے، مگر کوئی دوسرا اپنی بات زبردستی اس سے نہیں منوا سکتا۔ وہ جس کو اجازت دے وہی اُس کے آگے سفارش کر سکتا ہے، جس کو اجازت نہ دے وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، اُس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ وہ اپنے لیے ایسی گہری محبت چاہتا ہے کہ کسی دوسرے کے لیے ویسی محبت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ اپنے بندوں کو اپنے خوف سے بڑھ کر کسی اور چیز کا خوف کھانے کا اذن نہیں دیتا۔ انسان کو خالص اُس کی غلامی

کرکے جو سکون و اطمینان ملتا ہے وہ کسی اور طریقے سے نہیں ملتا۔

خدا آخرت میں سوال کرے گا کہ زندگی اور قوتیں تو میں نے تم کو دیں اور تم انہیں دوسروں پہ فدا کرتے رہے، مال تو میں نے تمہیں دیا، مگر میرے مال کو تم دوسروں کی خوشی حاصل کرنے کے لیے صرف کرتے رہے۔ اِس بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں واضح کیا کہ جو کچھ خدا کا ہے وہ خدا کو تو نہیں ملتا اور جو کچھ شرکاء کا نہیں ہے وہ اُن کو مِل جاتا ہے۔ کتنا صریح ظلم ہے۔ ڈوبنے والی کشتی کے مسافر خدائے واحد کو پکاریں، مگر جب بچ نکلیں تو واپس آکر پھر بُتوں کی پوجا میں لگ جائیں کتنی بڑی بے انصافی ہے۔

سامعین کرام! خاتمہ کلام ہم ایک حدیث مبارکہ پر کرتے ہیں:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا	حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا۔
قَالَ كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	کہا کہ میں ایک دن سواری پہ حضورؐ
وَسَلَّمَ يَوْمًا - فَقَالَ	کے پیچھے بیٹھا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا
يَا غُلَامُ!	"اے لڑکے!
اِنِّي اُعَلِّمُكَ كَلِمٰتٍ	میں تجھ کو کچھ باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔
اِحْفَظِ اللّٰهَ، يَحْفَظْكَ	خدا پر دھیان رکھ وہ بھی تیرا دھیان
اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ	رکھے گا۔ خدا پر دھیان رکھ تُو اُسے
تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ	اپنے سامنے پائے گا۔ خوش حالی میں
يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ	اللہ کو پہچان، مصیبت میں وہ تجھے
اِذَا سَأَلْتَ مَا سَئَلِ	پہچانے گا۔" جب تُو کچھ مانگے تو
اللّٰهَ، وَاِذَا اسْتَعَنْتَ	اللہ سے مانگ، اور جب تُو مدد
فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ	طلب کرے تو اللہ ہی کی مدد طلب کر۔
وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ	اور جان لے کہ اگر تمام لوگ اس بات
لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ	پر جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی فائدہ
يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ	پہنچائیں وہ ہرگز کوئی فائدہ تجھے

اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَ	نہ پہنچا سکیں گے، ماسوائے اس کے
اللّٰہُ لَکَ ۔	جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے
وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی	اور اگر وہ جمع ہوجائیں اس بات
اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ	پر کہ تجھے کچھ نقصان پہنچائیں تو
لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ	ہرگز کچھ نقصان تجھے نہ پہنچا سکیں گے
قَدْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ	بجز اس کے کہ جو اللہ نے تیرے لیے
رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ	لکھ دیا ہے۔ قلم نوشتے مکمل کرنے
وَجَفَّتِ الصُّحُفُ ۔	کے بعد اٹھا لیے گئے اور صحیفوں کی
(ترمذی)	تحریر خشک ہوچکی۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ خاص خاص نوجوان صحابیوں کو حضورؐ کس محبت سے اور کیسی حکمت سے دینِ حق کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک ایک ارشاد رگ رگ میں اُتر جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ہزار در ہزار رحمتیں ہوں، نبی اکرمؐ پر اور خاص بخششیں ہوں صحابہ کرامؓ کے لیے۔ نیز خدا ہمیں اپنے دین پر کاربند ہوتے اور خصوصاً توحید کے اُصول پر پہاڑ کی طرح جم جانے کی توفیق دے۔ اور شرک جیسی بلا سے بچائے، جو آخرت میں تباہی کا باعث ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

ایک دردناک رپورٹ

دورہ سیلاب زدہ علاقہ ضلع راجن پور

شعبہ نشر و اشاعت ، صوبہ پنجاب

۹ ، ۱۰ اگست کی درمیانی رات آنے والے سیلاب اور بارشوں نے اضلاع راجن پور، ڈیرہ غازی خاں، مظفر گڑھ، بہاول پور اور سیالکوٹ کے متعدد علاقوں کو سخت تباہی سے دوچار کیا ہے۔ ان اضلاع میں جماعتِ اسلامی کی مختلف ٹیمیں تباہی کا جائزہ لے رہی ہیں اور حتی الوسع متاثرینِ سیلاب کی خدمت کر رہی ہیں۔

امیر جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب مولانا فتح محمد کی سربراہی میں ستمبر کے ابتدائی ایام میں مولانا محمد افضل بدر صاحب نائب امیر جماعت اسلامی پنجاب، میاں محمد رمضان صاحب ایڈووکیٹ ڈیرہ غازی خاں، ملک عزیز الرحمٰن جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی راجن پور، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سیکرٹری کسان بورڈ پنجاب اور عبدالمجید پٹھان صدر کسان بورڈ ضلع راجن پور پر مشتمل ایک ٹیم نے ضلع راجن پور کا تفصیلی دورہ کیا اور سیلاب کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

ضلع راجن پور جس کا دورہ امیر صوبہ نے بذات خود کیا ہے، کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں۔ امیر صوبہ اپنی ٹیم کے ہمراہ رُجھان، عمر کوٹ، کوٹلہ گلشیر بورے ور، رکھ بورے ور، چک لاد، سلیم آباد، صفدر آباد، گیاں مل، کوٹلہ حسن شاہ، قادرہ، رکھ قادرہ، چک ذہورا، بھاگ سر، کہری، ڈھانبر والی، بھٹل نصیر، کوٹلہ حسن جامڑا، بستی نکا، ونگ، راجن پور، فاضل پور، حاجی پور اور داجل کی نواحی بستیوں کا دورہ کیا اور مصیبت زدہ افراد کے مسائل کو معلوم کیا ــــ یہ تباہی ایک طرف سے دریائے سندھ اور دوسری طرف سے متصل دو دکوہیوں

کے سیلاب سے واقع ہوئی ہے۔

نقصان کی تفصیلات چونکہ یہ سیلاب رات کو اچانک آیا تھا اس لیے بہت سی قیمتی جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ عمرکوٹ اور ونگ کے تین بچے سیلاب میں ڈوب کر جان بحق ہو گئے۔ یونین کونسل شاہ والی کی ایک کشتی کے اُلٹ جانے کے باعث چار آدمی ڈوب کر مر گئے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات سے مزید دس سے لے کر پندرہ افراد ہلاک ہونے کی خبر ملی ہے۔ اس سلسلے میں تحقیق جاری ہے۔ ہزاروں مویشی اس سیلاب سے ہلاک ہو گئے۔ لاکھوں من غلہ اور بھوسہ سیلاب کی نذر ہو گیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ پر پھیلی ہوئی کئی لاکھ روپیہ کی کپاس کی فصل تباہ ہو گئی ہے۔ چاول کی فصل کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ جو فصل سیلاب کی تباہی سے بچ گئی ہے اس کی تباہی کا خطرہ بھی اس طرح موجود ہے کہ متعلقہ نہروں کے ٹوٹنے سے اب انہیں بند کر دیا گیا ہے اور مطلوبہ پانی اُن کو مہیا نہیں کیا جا رہا۔ سیلاب کی وجہ سے کثیر تعداد میں سانپ نمودار ہو گئے ہیں اور بہت سی جانوں کو ان سے خطرہ لاحق ہے۔ بہت سے لوگ سانپوں کے ڈسے جانے کی وجہ سے گھروں اور ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔

حکومت کے ناکافی اقدامات اتنی بڑی مصیبت کے موقع پر انتظامیہ کے افراد نے انتہائی بے حسی کا ثبوت دیا ہے۔ سیلاب کے سلسلے میں متاثر ہونے والے علاقے کو بروقت پیشگی وارننگ نہیں دی گئی تاکہ اس مصیبت سے محفوظ ہونے کے لیے علاقے کے لوگ ممکن اقدامات کر سکتے۔ سیلاب کے پھوٹ پڑنے کے فوراً بعد مصیبت زدہ لوگوں کو سیلاب سے نکالنے کے لیے حکومت کی طرف سے قطعاً کوئی بندوبست نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس موقع پر کشتیوں اور لانچوں کے ذریعہ عوام کو محفوظ جگہ پر پہنچا کر ان کی مصیبت میں کمی کی جا سکتی تھی۔ سیلاب کے فوراً بعد سرکاری افسروں نے ماسوائے رجھان اور عمرکوٹ کے سیلاب زدگان کی مشکلات کو جاننے کے لیے اور تباہ کاریوں کا جائزہ لینے کے لیے کوئی دورہ نہیں کیا۔ سیلاب کے چند دن بعد کچھ فوجی افسر اور نوجوان آئے، جن کے پاس لانچیں بھی تھیں، انھوں نے سیلاب زدگان کی مدد کرنے کے بجائے صرف اپنے افسران کو اِدھر اُدھر لے جانے کی خدمت سر انجام دی۔ اس موقع پر تقریباً تین لاکھ افراد سیلاب سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن حکومت نے فوری ضروریات کو پورا کرنے

کے لیے نہایت معمولی سامان فراہم کیا ہے - صرف ایک یونین کونسل کھبس کی متاثرہ آبادی بیس پچیس ہزار ہے -، گوشت فراہم کرنے کے لیے ۱۸ کٹے ، پندرہ پندرہ کلو کے پانچ گھی کے ٹین اور اٹھارہ اٹھارہ کلو کے آٹے کے دس تھیلے، گُڑ کی دو بوریاں اور دو من دال تقسیم کی ہے - اگر دیگر یونین کونسلوں میں بھی اسی مقدار میں امداد پہنچائی گئی ہے تو یہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مترادف ہے -

حکومت نے اس علاقے کو آفت زدہ قرار دے کر آبیانہ ، مالیہ اور عشر کی معافی کا اعلان تو کیا ہے ، لیکن صرف اتنی امداد سے مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں کیا جاسکتا- حکومت نے سیلاب کی بندش کے لیے بروقت کوئی ضروری تدابیر بھی اختیار نہیں کیں -

علاوہ ازیں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران نے بھی اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی، جنہوں نے ان کو ووٹ دے کر اسمبلیوں تک پہنچایا ، امداد کے لیے کوئی دورہ نہیں کیا - اور نہ ہی امداد بہم پہنچانے کے لیے برسرِ اقتدار جماعت نے کوئی منصوبہ بندی کی -

تجاویز امیر جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب مولانا فتح محمد اور کسان بورڈ پنجاب کے ذمہ داران نے متاثرہ علاقوں کے افراد کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں حسبِ ذیل تجاویز مرتب کی ہیں جو مرکزی اور صوبائی حکومت کو براہ راست اور اخبارات کے ذریعہ بھی پہنچائی جارہی ہیں -

۱- تمام متاثرہ علاقوں کے جانی ومالی اور فصلاتی نقصانات کی صحیح تفصیلات مرتب کی جائیں- اور ان کے فوری مسائل کو بلا تاخیر حل کیا جائے - جن مسائل کے حل کے لیے کچھ میعاد درکار ہے اُن کو ایک سال کے اندر اندر لازماً حل کر دیا جائے - تاکہ آئندہ سال اگر خدانخواستہ ایسی صورتِ حال رونما ہو تو اُس کے نقصانات سے بچا جاسکے-

۲- سیلاب سے متاثرہ علاقہ میں بیماریاں پھیلنی شروع ہوگئی ہیں اس لیے فی الفور حکومت کی طرف سے ہنگامی بنیادوں پر میڈیکل ایڈ پہنچائی جائے -

۳- تمام متاثرہ آبادی میں گندم ، چاول ، دالیں ، گھی ، شکر اور دیگر اشیائے ضرورت وافر مقدار میں تقسیم کی جائیں -

۴۔ فصلات، گندم اور بھوسہ وغیرہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کے لیے کچھ نقد رقوم بھی متاثرین کو دی جائیں۔

۵۔ حکومت تباہ شدہ مکانات کی تعمیر کے لیے تین ہزار سے لے کر دس ہزار روپیہ تک فی گھر حسب ضرورت مالی امداد دے۔ جہاں جانی اتلاف ہوا ہے، وہاں ان کے وارثین کو خصوصی رقم دے کر ان کی دلجوئی کی جائے۔

۶۔ تمام تقاوی قرضے نیز زرعی ترقیاتی بنک، کمرشل بنک اور کوآپریٹو سوسائٹی سے حاصل کردہ قرضہ جات کی مہلت میں کم از کم دو سال کا اضافہ کیا جائے۔ ان قرضوں پر سود مطلقاً وصول نہ کیا جائے اور پہلی قسط کی وصولی مئی جون ۱۹۸۷ء سے قبل نہ کی جائے۔ اور افسران کو سختی سے ہدایت کی جائے کہ وہ خواہ مخواہ کسانوں کو پریشان نہ کریں۔

۷۔ نہروں اور راجباہوں کے کناروں اور ہیڈوں کی مرمت کر کے جلد از جلد ان میں پانی چھوڑا جائے تاکہ سیلاب سے بچی ہوئی فصلیں صحیح طور پر نشوونما پاسکیں۔

۸۔ رابطہ سڑکیں جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی ہیں اور ان کی فوری مرمت کی جائے۔ قصبہ حاجی پور کے واٹر سپلائی کے ناقص نظام کو تبدیل کیا جائے اور مضر صحت پانی سے باشندگان قصبہ کو نجات دلائی جائے۔

۹۔ کچھ بڑے زمیندار اپنا رقبہ اور مکانات بچانے کے لیے خود بند باندھ لیتے ہیں اور جب چاہیں توڑ بھی دیتے ہیں جس سے غریب کسانوں کو بہت نقصان ہوتا ہے، حکومت کا فرض ہے کہ ذاتی بند باندھنے پر پابندی عاید کرے اور اس کی اسی صورت میں اجازت دے جب کہ ان بندوں سے دوسرے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔

۱۰۔ متاثرہ علاقے کے لوگوں نے چوری کی وارداتوں کا بھی ذکر کیا ہے اور پولیس کی بے حسی اور رشوت طلبی کی شکایت بھی کی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ سیلاب میں لٹے پٹے دیہاتیوں کی جان و مال کی حفاظت کرے اور ان کی مصیبتوں میں اضافہ نہ ہونے دے۔

مابعد کے اقدامات ۱۔ کوہ سلیمان کے دامن میں رود کوہی "کاہا" اور رود کوہی چھاچھڑ کے منبع پر سال ڈیم بنائے جائیں اور اس پانی کو علاقے کی آبپاشی کے لیے استعمال کیا جائے

اور زائد پانی کو دریا میں گرانے کے لیے بڑے نالے کھود دیے جائیں۔

۲۔ سیلاب کے پانی کی سابقہ گذرگاہوں کو جواب عدم توجہ سے اٹ چکی ہیں، جلد از جلد مرمت کیا جائے۔

۳۔ نہر داجل کے غربی کنارے کو اتنا مضبوط بنایا جائے کہ وہ سیلاب کو روکنے کے لیے فلڈ بینک (بند) ثابت ہو سکے۔

۴۔ نہروں اور راجباہوں کے سائفن چھوٹے اور تعداد میں کم ہیں۔ سیلاب کے موقع پر اندازے سے دگنے پانی کے اخراج کو مدنظر رکھ کر مزید سائفن بنائے جائیں۔

۵۔ کسن سے عمرکوٹ تک بائیس میل لمبا حفاظتی بند تعمیر کیا جائے اور ضلع کونسل کا پرانا بند جو سیلاب سے ٹوٹ گیا ہے اور تباہی کا موجب بنا ہے اسے فوری طور پر مرمت کیا جائے۔

جماعت اسلامی کی خدمات جماعت اسلامی اپنی سابقہ روایات کے مطابق تمام متاثرہ اضلاع کا تفصیلی جائزہ لے رہی ہے۔ مختلف متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا گیا ہے اور حسب توفیق خدمات سرانجام دی جائیں۔ راجن پور کی نسبتاً چھوٹی جماعت ہے، اس نے اپنے ضلع سے فراہم کردہ ذرائع اور مرکز سے ملنے والی امداد سے سیلاب کے آغاز سے ہی کام شروع کیا اور مصیبت زدہ بستیوں میں پہنچ کر آٹا، چاول اور دیگر اشیاء فراہم کی ہیں اور اب متاثرہ علاقوں میں طبی امداد بہم پہنچانے کا پروگرام پیش نظر ہے۔

اپیل امیر صوبہ پنجاب مولانا فتح محمد نے صوبہ کے دوسرے اضلاع کے عوام سے اپیل کی ہے کہ راجن پور، ڈیرہ غازی خاں، مظفر گڑھ، سیالکوٹ، بہاول پور اور بہاول نگر کے آفت رسیدہ بھائیوں کی امداد کے لیے دست تعاون بڑھائیں، اپنی امدادی رقوم جماعت کے مرکزی اور صوبائی دفتر یا متاثرہ اضلاع کے ضلعی دفاتر کو ارسال کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

رسائل و مسائل

فجر کی سُنّتیں

مولانا عبد المالک صاحب۔ منصورہ۔ لاہور

سوال:۔ ہمارے ایک قریبی دوست جماعتِ اسلامی کے پرانے متفق ہیں۔ وہ تین چار سال دوبئی میں ملازمت کرتے رہے۔ ابھی واپس آئے ہیں۔ وہ صبح کی دو سُنّتیں روزانہ فرض نماز کے بعد پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی کہتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہو جائے تو سُنّتیں چھوڑ کر جماعت کے ساتھ مل کر فرض پڑھ لو، سُنّتیں بعد میں پڑھ لینا۔ مہربانی فرما کر حنفیہ مسلک کے مطابق اس کا تفصیلی حل تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ سُنّتیں اسی مقام پر سُنّتیں ہیں جس مقام پر انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔ فجر کی سُنّتیں فجر کی نماز سے پہلے سُنّتیں ہیں۔ بعد میں ان کی حیثیت نفل کی ہے۔ اس لیے معمول تو یہی بنانا چاہیے اور اس کی پابندی کرنی چاہیے کہ فجر کی سُنّتیں فجر کی نماز کھڑے ہونے سے پہلے پڑھ لی جائیں لیکن کبھی اتفاقاً ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بڑی مسجد کے دروازے کے پاس پڑھ کر فرضوں میں شرکت کی جائے۔ (۲) جماعت میں شمولیت اختیار کر لی جائے اور سورج نکلنے کے بعد سُنّتیں پڑھ لی جائیں۔ (۳) فرضوں سے فارغ ہو کر متصل بعد سُنّتیں پڑھ لی جائیں۔ ہمارے نزدیک راجح صورت دوسری ہے کہ فرض کے لیے اقامت کے بعد فرضوں میں شرکت کر لی جائے اور سورج نکلنے کے بعد سُنّتیں پڑھ لی جائیں۔ متاخرین فقہائے احناف اس صورت کے علاوہ پہلی صورت کے جواز کے بھی قائل ہیں اور تیسری صورت کے فقہائے احناف قائل نہیں ہیں لیکن اس پر کبھی کبھار عمل کرنے والے کے بارے میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ لیکن مسنون طریقے کے خلاف مستقل کوئی رویہ بنا لینا جائز نہیں ہے۔

مطبوعات

مطالعۂ سلیمانی | مرتبہ مسعود الرحمٰن خان ندوی و محمد حسان خان - ناشر: دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، ۴۶۲۰۰۱ - ۶۰۰ صفحات مجلد - قیمت: ایک سو روپیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ کی شخصیت برصغیر کے آسمان پر ایسی علمی و دینی درخشانیاں دکھا کر اور اوراقِ زمانہ پر ایسے انمٹ انوکھے نقوش چھوڑ کر رخصت ہوئی کہ اُسے فراموش نہ کیا جا سکے گا۔ چنانچہ علامہ ندوی کی وفات کے بعد کئی یادگاری تقریبیں مختلف مقامات پر ہو چکیں۔ ازاں جملہ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کے زیرِ اہتمام سید صاحب کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے ایک سہ روزہ جشن (۴ تا ۶ دسمبر ۱۹۸۵ء) منعقد ہوا۔ اس موقع پر ۵۰ اہلِ علم نے اپنے مقالات میں سید ندوی مرحوم کے علمی و ادبی کارناموں کے ہر پہلو پر نظر ڈالی۔ ان میں سے ۴۷ مقالات کا مجموعہ ہمارے سامنے ہے۔

اس مجموعہ میں سید صاحب کی علمی خدمات کی رنگارنگی کے لحاظ سے کئی عنوانات الگ الگ ہو کر سامنے آئے۔ مثلاً قرآنیات، کلامیات و فقہیات، تاریخ نگاری، سیرت پاک، تحقیق و تنقید، لسانیات، تہذیب و تمدن، ادب و شاعری، صحافت اور طب، سید صاحب کی نگارشات، سید صاحب کی سوانح و شخصیت، دارالاقبال بھوپال میں قیام وغیرہ بہت سے شعبوں میں سید صاحب کے کام کا جائزہ لیا گیا۔ میں نے ان مقالات کو پڑھ کر یہ تاثر لیا ہے کہ ان مقالات میں سجائے خود بہت قیمتی دینی، علمی اور ادبی معلومات جمع ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ آج کے تعلیم یافتہ حلقوں کو بغور اس کتاب کا مطالعہ کر کے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ ... اور دینی دونوں لحاظ سے ہم اس مقام سے پیچھے کیوں آ گئے ہیں جہاں تک

سید سلیمان ندوی اور ان کا دور یہیں سے لے گیا تھا۔

پاکستان میں تعلیم و تدریس | مرتب اعلیٰ: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری۔ ناشر: گورنمنٹ نیشنل کالج شہید ملت روڈ کراچی ۵۔ قیمت درج نہیں۔

یہ گورنمنٹ نیشنل کالج کے "مجلہ علم و آگہی" کا تعلیمی موضوع پر ایک مجموعہ خاص ہے۔ تعلیم کے بارے میں سوچنے اور لکھنے اور کام کرنے والے حضرات کے لیے اس مجموعہ مقالات کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا، کیونکہ اس میں بڑا تنوع ہے اور ہر مقالہ نگار نے کسی نہ کسی خاص پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اچھا یہ ہے کہ چونکہ کسی سرکاری تقریب یا کمیشن اور کمیٹی سے اس کوشش کا تعلق نہیں ہے، لہٰذا لکھنے والوں نے آزادیٔ ذہن کے ساتھ جو کچھ صحیح سمجھا وہ لکھا۔ جہاں تک نقطۂ نظر کا معاملہ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ شرکا کی اکثریت صحیح رُخ پر سوچ بچار کرنے والی ہے۔ یوں سراسر یکسانی بھی رسائل کے نمبروں یا مجموعوں میں زیادہ جچتی نہیں۔ اختلافی آرا بھی آجانی چاہئیں تاکہ قارئین تقابلی طور پر مسائل کو سمجھ سکیں۔ بہرحال یہ مبارک بات ہے کہ ہمارے ہاں تعلیمی موضوعات پر سوچنے اور لکھنے والے ماہرین کی اکثریت بہت صحت مند، مثبت اور تعمیری انداز سے سوچنے والی ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسائلِ تعلیم کو زیادہ تر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے۔

"مجلہ علم و آگہی" کے اس مجموعے میں تعلیم کی تاریخ، افکار و نظریات، نظامِ تعلیم کے مسائل، نصاب کے تجزیے، استاد کی اہمیت اور اوصاف جیسے مباحث شامل ہیں۔ بعض مقالات تعلیمی انحطاط کے گرد گھومتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان میں سوال صرف انحطاط ہی کا نہیں، تعلیم کے مقصد و منتہا کا بھی ہے۔ یعنی دیکھنا یہ بھی ضروری ہے کہ تعلیم نظریۂ اسلامی پر قائم ہونے والے اس ملک میں نظریاتی و مقصدی لحاظ سے صحیح رُخ پر جا رہی ہے۔ مطلوبہ تبدیلی کیوں نہیں ہوتی؟ خدا پرستانہ طرزِ فکر پر مبنی نظامِ تعلیم کیوں نمودار نہیں ہوتا؟ اُردو بہ حیثیت قومی زبان ذریعہ تعلیم کیوں نہیں بن سکی۔ انگریزی کی بالادستی ٹوٹتی کیوں نہیں؟ دو طرح کے تعلیمی ادارے ملکی اور غیر ملکی

اور غیر ملکی طرز کے ملکی اختم کیوں نہیں ہوتے! چند سال میں پوری قوم (بچوں اور بالغوں) کو خواندہ بنانے کی مہم کیوں نہیں چلتی؟
لکھنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے، یہاں پیش کرنا مشکل ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب حضرات نمایاں شخصیتیں ہیں اور بعض موضوع کے لحاظ سے بہت اہم۔ ہوسکتا ہے کہ اِکادکا افراد لکھنے لکھانے کی بڑائی یا نام کی وسیع شہرت کی وجہ سے بھی لیے گئے ہوں، مگر مجموعی طور پر انتخاب اچھا ہے۔

پنجاب کی آواز تالیف: سید اسعد گیلانی ایم اے۔ ناشر: نامعلوم۔ قیمت درج نہیں۔

خدا کی خاص مدد ہے کہ اسعد گیلانی صاحب قسم قسم کے موضوعات پر بڑی زود نویسی سے اظہارِ خیال کرتے ہیں اور پھر ان کی ہر کتاب کھٹ سے چھپ جاتی ہے۔ سندھ کا مسئلہ، صوبہ سرحد کا مسئلہ اور بلوچستان کا مسئلہ تو پہلے سے معرکۃ الآرا بنے ہی ہوئے تھے۔ اب پنجاب کا مسئلہ بھی آہستہ آہستہ سر اُبھار رہا ہے۔ اسعد صاحب کی کتاب گو حنیف رامے کی کتاب کے جواب میں نہیں لکھی گئی، لیکن وہ محرک ضرور بنی۔ پنجاب کے مسئلے کو جس شکل میں حنیف رامے صاحب نے پیش کیا، گیلانی صاحب نے سوچا کہ اس کے بخلاف اسے زیادہ بہتر اور صحیح شکل دینی چاہیے۔

سو اب کتاب "پنجاب کی آواز" آپ کے سامنے ہے۔

گیلانی صاحب نے دکھایا ہے کہ پنجاب کو دوسرے صوبوں کے لیے قربانی، حقوق دینے والا اور اپنے لیے کوئی حقوق طلب نہ کرنے والا صوبہ ہونے کے باوجود دوسرے صوبوں کے غلط الفکر سیاسی عناصر نے ہمیشہ ظالم اور مجرم ثابت کیا۔ گیلانی صاحب نے دکھایا ہے کہ پنجاب نے اپنے دوسرے برادر صوبوں اور پاکستان کے لیے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اور کیا زیادتیاں برداشت کی ہیں۔ ضروری معلومات اور اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے گیلانی صاحب نے خاص محنت کی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ پنجاب پر ہونے والی زیادتیوں یا پنجاب کی محرومیوں کا تذکرہ بطور ایک

حق گو کے کیا جا سکتا ہے اور اس کی طرف سے جائز مطالبات اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ راستہ جانا صوبائیت کی طرف ہے اور پاکستان آہستہ آہستہ خارج از بحث ہوتا جاتا ہے صوبہ پرست سیاست کاروں کی یہ بڑی خواہش وکوشش ہے کہ ایک بار پنجاب اور اس کے سیاست کاروں کو بھی وہ گھسیٹ کر اپنے پسندیدہ میدان جنگ میں لے جائیں۔

میرا خیال ہے کہ گیلانی صاحب کو اس کا پوری طرح احساس ہے اور وہ شاید آگے چل کر "پاکستان کی آواز" یا "اسلام کی آواز" کے موضوعات پر مزید کتابیں لکھ کر توازن درست کر دیں۔

نگارخانہ عظمت میں مرتبہ: شفیق الاسلام فاروقی - ناشر: حمایبلی کیشنز - ۱۴/۲ فضل الٰہی مارکیٹ، اُردو بازار لاہور ۲ - قیمت: ۱۵/- روپے۔

جناب شفیق الاسلام فاروقی کے دل میں تحریکِ اسلامی کے فروغ کی بہت لگن ہے اور اُنھوں نے خدمتِ دین کے لیے نئے نئے راستے نکال کر بڑا وقیع کام کیا ہے۔ خصوصاً مسلم اور مغربی ممالک میں خط وکتابت اور لٹریچر کے ذریعے تبلیغ کے لیے بہت محنت کی ہے۔ اب وہ تحریر و اشاعت کے دائرے میں نمودار ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے "نگارخانہ عظمت میں" ملتِ اسلامیہ کے اسلاف و اکابر، سپہ سالار اور احکام، علماء اور اولیاء کی زندگیوں کے بہت ہی ایمان پرور اور جذبہ انگیز واقعات و اقوال جمع کیے ہیں۔

نوجوانوں، بچوں اور خواتین و طالبات کو اس کتاب سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔

"سمع و بصر" (کراچی)

ذریعۂ ابلاغ اور ذریعۂ تبلیغ ہونے کی حیثیت سے آج "کیسٹ" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ اب "کیسٹ ایجوکیشن" اور "کیسٹ ریوولیوشن" کا دور ہے۔ انہی احساسات کے تحت کراچی میں ۱۹۸۵ء میں "سمع و بصر" کا وجود عمل میں آیا ہے، جس نے دعوتی مقاصد کے لیے بہت صاف آواز میں کیسٹ تیار کیے ہیں۔ ان چند کیسٹوں کا تعارف ہم یہاں کراتے ہیں:

کیسٹ — حج کا پیغام | اس میں حج کی روح و حکمت کے متعلق مولانا عبدالحمید صاحب نے دل نشیں انداز سے گفتگو کی ہے۔ پروفیسر احسان الحق صاحب نے حج کا طریقہ بتایا ہے۔ اعجاز رحمانی نے ایک خصوصی نظم پیش کی ہے۔

کیسٹ — درس قرآن | اس کیسٹ میں جناب خرم جاہ مراد صاحب کا ایک درس قرآن محفوظ کیا گیا ہے جس میں سورۃ الاعلیٰ کی چند آیات کی تشریح کرتے ہوئے تزکیۂ نفس کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ رحمٰن کیانی کی نظم "پیغمبر انقلاب" بھی شامل ہے۔

کیسٹ — شہادت گہ الفت | عبدالمالک سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ نے ایک تقریر میں استقامت اور قربانی کا پیغام دیا ہے۔ تقریر کے ساتھ نعیم صدیقی کی نظم "ہم لوگ اقراری مجرم ہیں" سلمان حسین کی آواز میں پیش کی گئی ہے۔

کیسٹ — "الحمد" | اس کیسٹ میں جناب مظفر وارثی نے اپنی کتاب الحمد سے نہایت دلکش آواز میں اپنا کلام ریکارڈ کرایا ہے۔

دو اور کیسٹ | ایک کیسٹ جہاد افغانستان سے متعلق ہے اور دوسرا رمضان المبارک کے متعلق۔

شیخ محبوب علی پروجیکٹ ڈائرکٹر۔ ادارہ "سمع و بصر" راولپنڈی بلڈنگ میریٹ روڈ۔ کراچی